ہندوستان کی نامور ہستیاں
حصہ اوّل
پبلیکیشنز ڈویژن

ہندوستان کی نامور ہستیاں

(پہلا حصّہ)

پبلیکیشنز ڈویژن
منسٹری آف انفارمیشن اینڈ براڈکاسٹنگ
گورنمنٹ آف انڈیا

چیتر شک سمت ۱۸۸۶
مارچ ۱۹۶۴ء

BHARAT KE GAURAV - PART I
(URDU)

PRICE RS. 2.25

قیمت - ۲ روپئے ۲۵ پیسے

پبلشرز :- ڈائرکٹر پبلیکیشنز ڈویژن اولڈ سیکریٹریٹ دہلی
پرنٹرز :- گپتا پرنٹنگ ورکس اسپلینیڈ روڈ - دہلی -

دیباچہ

کسی قوم کی تعمیر و ترقی میں کافی وقت لگتا ہے اور اس میں طرح طرح کے عناصر ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں قوم کا موازنہ کسی انسان کے دل سے کیا جا سکتا ہے جس طرح دل و دماغ پر طرح طرح کے اثرات سے شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے اسی طرح کسی قوم کی تعمیر میں بھی مختلف قسم کے اثرات کا ہاتھ ہوتا ہے۔ یہ اثرات کبھی تو ایک طرح کے ہوتے ہیں، کبھی ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں اور کبھی ایک دوسرے کی ضد بھی ہوتے ہیں۔

صحیح معنوں میں دیکھا جائے تو قوم کی تعمیر میں کچھ زبردست شخصیتوں کا ہاتھ نہیں ہوتا بلکہ قوم ہی ان شخصیتوں کو بناتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جب ایسی شخصیت وجود میں آجاتی ہے تو وہ قوم کو متاثر کرتی ہے۔ بہرحال ہمیں ان پیچیدگیوں میں نہیں پڑنا چاہیئے۔ لیکن یہ ضرور سمجھ لینا چاہیئے کہ سب سے بڑی طاقت عوام کی ہے اور جو تاریخ کو بناتی ہے۔ اگر اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو مہاپرشوں، مشہور راجاؤں اور بڑی شخصیتوں کے ذریعے تاریخ یا قوم کی تعمیر کو سمجھنے کی کوشش بہت حد تک یک طرفہ ہوگی۔ اس کتاب کو پڑھنے والے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں سے یہ امید نہیں کی جاتی کہ وہ اس بات کو پوری طرح سمجھیں گے کہ کوئی شخص یا اس کا خاندان تب ہی ایک تاریخی عنصر بن جاتا ہے جب وہ عوام میں بیداری اور جوشش پیدا کرکے انھیں ترقی کی طرف یا اس کے مخالف راستے پر لے جاتا ہے اور کسی صورت میں نہیں۔ بڑے اونچے اور اعلیٰ خیالات کتابوں میں بند پڑے ہیں۔ لیکن اس سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ ان خیالات کی چنگاری عوام کو

سلگا نہیں دیتی اور تاریخی عوامل کو حرکت میں نہیں لے آتی۔

لیکن اس کتاب میں کئی ایسی ہستیاں نظر آئیں گی جن کا آج شاید کوئی اثر نہیں ہے لیکن اپنے زمانے میں ان کا بڑا اثر تھا اور انہوں نے اپنے زمانے پر نہایت گہرا اثر ڈالا تھا۔ اس نقطۂ نظر سے اس مجموعے میں ان کی شمولیت مناسب معلوم ہوگی۔ ممکن ہے کہ اتنی ہی مشہور اور معروف ہستیاں کچھ ایسی بھی ہوں جن کا اس مجموعے میں نام نہیں ہے۔ اگر ہمیں ان کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل ہو جائیں تو انھیں اگلے ایڈیشن میں شامل کر لیا جائے گا۔

مرتّب

ترتیب

یگجیت نول پوری

مہاویر

آج سے ڈھائی ہزار سال سے بھی زیادہ پہلے کی بات ہے۔ جہاں آج اتر بہار ہے وہاں کبھی لچھویوں کی پنچایتی جمہوریت قائم تھی۔ یہ نیپال کی ترائی میں گنگا تک اور کوسی سے راپتی تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی راج دھانی تھی ویشالی جسے آج کل بساڑھ کہتے ہیں۔ یہ جگہ پٹنہ سے کوئی ۲۷ میل اتر میں ہے۔

ویشالی نگر کے تین حصے تھے۔ خاص ویشالی دکھن پورب میں تھا۔ یہ برہمنوں کی بستی تھی۔ پچھم میں وانجیہ گرام تھا۔ تیسرا حصہ کُنڈ گرام کہلاتا تھا۔ یہ اتر پورب میں تھا۔ آج کل اس جگہ پر سوکنڈ گاؤں ہے جو مظفر پور ضلع میں ہے۔

جین دھرم کے چوبیسوں رہنما مہاویر کُنڈ گرام میں ایک کشتری خاندان میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد کا نام راجہ سدھارتھ اور ماں کا نام ترشلا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ مہاویر جب پیٹ میں تھے تو ان کی ماں نے چودہ خواب دیکھے۔ خواب سن کر جوتشیوں نے کہا تھا کہ یہ لڑکا جھنڈے جیسا، دیپک جیسا، مکٹ جیسا، تلک جیسا، اور سایہ دار درخت جیسا ہوگا۔ اس میں سبھی خوبیاں ہوں گی۔ جسم کا ہر انگ حسین ہوگا۔ یہ تمام علوم سے واقف ہوگا۔ جو بھی کام ہاتھ میں لے گا پورا کرے گا۔ یہ بہت بہادر ہوگا۔ جنتا کا نیتا ہوگا اور سنسار بھر میں اس کی جے جے کار ہوگی۔ غرضیکہ یہ لڑکا یا تو چکرورتی راجہ ہوگا یا بڑا بھاری مہاتما۔

نو مہینے ساڑھے سات دن بعد چیت سُدی کی تیرہ تاریخ اترا پھاگنی نکشتر میں

مہاویر کا جنم ہوا۔ راجہ سدھارتھ نے شبھ سندیس لانے والی داسی کو مُکٹ کے سوا اپنے سارے گہنے دے ڈالے اور اُسے غلامی سے آزاد کر دیا۔

مہاویر کی پیدائش کی خوشی میں راجہ نے قیدیوں کو رہا کر دیا۔ سبھی قرض معاف کر دئے۔ دس دنوں تک خوب دھوم دھام سے جشن منایا گیا۔ چاروں طرف گانے بجانے، ناچ اور دعوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ تیسرے دن بچے کو چاند سورج دکھایا گیا۔ ماں باپ نے چھٹی کی رات جاگ کر کاٹی۔ بارہویں دن تمام عزیزوں، رشتہ داروں اور داس داسیوں کو دعوت دی گئی۔

بچے کا نام وردھمان رکھا گیا۔

وردھمان کا ایک بڑا بھائی تھا نندی وردھن اور ایک بڑی بہن تھی سُدرشن، تینوں کی پرورش بڑے لاڈ پیار سے ہونے لگی۔ وردھمان لڑکپن ہی سے تندرست، طاقت ور اور نڈر تھے۔ ایک بار باغ میں وہ ڈالی پاتی (ایک کھیل جس میں بچے درخت پر چڑھتے اور کودتے ہیں) کھیل رہے تھے۔ جب درخت پر وہ چڑھے تھے اُسی پر ایک خوفناک سانپ بھی چڑھ گیا تھا۔ وردھمان کی جان کو خطرے میں دیکھکر سبھی لڑکے گھبرا گئے۔ لیکن وردھمان سانپ کی طرف ہی بڑھتے گئے اور اسے پکڑ کر دور پھینک دیا۔ جینیوں کا خیال ہے کہ سانپ کوئی دیوتا تھا جو ان کی ہمت کا امتحان لینے آیا تھا۔

ایسی ہی ایک اور کہانی بیان کی جاتی ہے۔ وردھمان گدھا سواری کا کھیل کھیل رہے تھے۔ اس میں ہارنے والا لڑکا گدھا بنتا ہے اور جیتنے والے لڑکے کو اپنی پیٹھ پر لاد کر کچھ دور تک لے جاتا ہے۔ ایک دیوتا بھی شکل بدل کر کھیل میں شامل ہو گئے اور جان بوجھ کر ہار گئے۔ وردھمان اُن کی پیٹھ پر چڑھے۔ ان کے چڑھتے ہی وہ انھیں تیزی سے لے بھاگے۔ کوئی اور بچہ ہوتا تو رونے چلانے لگتا۔ لیکن وہ بالکل نہ ڈرے اور اوپر سے ایسا گھونسہ مارا کہ وہ اوندھے منہ گر پڑے۔ دیوتا نے اُن سے معافی مانگی اور کہا کہ تم تو مہاویر ہو۔ ان کے بارے

میں اسی طرح کی کئی کہانیاں مشہور ہیں۔

جب وردھمان جوان ہوئے تو بسنت پور کے راجہ نے ان کے ساتھ اپنی بیٹی کا بیاہ کرنا چاہا۔ انھوں نے راجہ سدھارتھ کے پاس پیغام بھیجا۔ وردھمان شادی کے لئے تیار نہ تھے مگر ماں نے بہت ضد کی تو راضی ہو گئے۔ بسنت پور کے راجہ سمرویر اور رانی پدماوتی کی بیٹی یشودھا سے ان کا بیاہ ہو گیا۔ کچھ دن بعد ان کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ انھوں نے شادی نہیں کی تھی اور تمام عمر کنوارے ہی رہے۔

گھر گرہستی کے کاموں میں وردھمان بڑے ہوشیار تھے اور جو بات منہ سے نکالتے تھے اُسے ضرور پورا کرتے تھے۔ وہ فطرتاً سیدھے سادے، اور ملنسار تھے۔ وہ بڑوں کی عزت کرتے تھے، اور بڑے رحمدل تھے۔ لیکن وہ دنیاداری میں بالکل ڈوب نہیں گئے تھے اور سچا گیان حاصل کرنے کی جستجو میں لگے رہتے تھے۔

جب وہ ۲۸ سال کے ہوئے تو ان کے والدین کی موت ہو گئی۔ وردھمان کو دنیا تج دینے اور سادھو بن جانے کا پورا موقع مل گیا۔ لیکن ان کے بڑے بھائی نندی وردھن نے انھیں روک دیا، اور کہا کہ دو برس رک جاؤ۔ ماں باپ کے مرنے کا زخم بھر جانے دو۔ تمہارے گھر چھوڑنے سے پھر نیا زخم لگے گا۔ اس صدمے کو برداشت کرنے کی ہمت گھر والوں میں پیدا ہونے دو۔ وردھمان یہ بات مان گئے۔ سادھو بننا تو انھوں نے دو سال کے لئے ٹال دیا لیکن گھر میں وہ سادھوؤں ہی کی طرح رہنے لگے۔ وہ سوچتے تھے کہ لوگ سُکھ کے پیچھے بھاگتے ہیں مگر یہ بھاگ دوڑ ہی ان کے دکھ کی وجہ بن جاتی ہے۔ یہی ہنسا (تشدد) کا سبب بھی بن جاتی ہے اور آدمی سچی خوشی کے راستے پر بڑھ نہیں پاتا۔ اسی لئے سکھ کے پیچھے نہ دوڑنے میں ہی اصلی سکھ ہے۔

یہی خیال بعد میں وردھمان کے مذہب کی بنیاد بنا۔ جیسے جہالت اور لاعلمی کو مٹانا محبت کا سلوک اور لالچ اور موہ کو ختم کرنا بدھ مذہب کا بنیادی فلسفہ ہے اسی طرح ہنسا کو مٹانا

جین مذہب کا بنیادی مقصد ہے۔

وردھمان اپنے بھائی سے دوسال تک گھر نہ چھوڑنے کا وعدہ کر چکے تھے۔ مگر ایک سال گذرتے گذرتے وہ سنیاس لینے کو بے چین ہو گئے اور انھوں نے اپنے حصے کا تمام دھن دولت، دان کر دیا۔ دھیرے دھیرے دوسرا سال بھی گذر گیا اور وہ گھر چھوڑنے کی تیاری کرنے لگے۔

تیس برس کی عمر میں، مہاویر سادھو بن گئے۔ یہ تقریب بڑی شان سے ہوئی۔ دیوتی پلاس باغ میں شہر کے ہزاروں مرد و عورت جمع ہوئے۔ وردھمان نے اپنی داڑھی، مونچھ اور سر کے بال منڈ واڈالے۔ بڑے بوڑھوں نے انھیں دعائیں دیں۔ پھر وردھمان اکیلے نکل کھڑے ہوئے۔ شام کا اندھیرا ہوتے ہوتے وہ گنگا پار کر کے کُم مار گاؤں پہونچے۔ آج کل اس گاؤں کا نام کسمر ہے۔

سادھو ہونے کے کچھ دن بعد ہی انھوں نے فیصلہ کیا کہ دھیان لگانے کے کسی مناسب جگہ کا انتخاب کروں گا، چپ رہوں گا، بھیک ہاتھ میں لے کر کھاؤں گا، اور کبھی کسی دنیادار کی خوشامد نہیں کروں گا۔

وہاں سے چل کر وردھمان آبتھک نامی گاؤں میں پہونچے۔ وہاں انھوں نے لوگوں کے دل سے بھوت پریت کے وہم کو دور کیا۔ یہاں انھوں نے چار مہینے قیام کیا۔ وہاں سے پھر موراک گئے اور تنتر منتر کے فریب کا پردہ چاک کیا۔

رنشوبے تامبی پہونچنے پر راجہ پردیشی نے ان کا سواگت کیا۔ لیکن مہاویر یہاں بھی نہ رُکے اور سُرَبھی پور کی طرف چل پڑے۔ راستے میں جب وہ گنگا پار کر رہے تھے تو بڑے زور کی آندھی آئی جس سے ناؤ کا مستول ٹوٹ گیا اور بادبان کے ٹکڑے ٹکڑے اڑ گئے۔ پھر بھی ناؤ کسی طرح پار لگ گئی۔ مسافروں کے اس مصیبت سے نجات پانے کا سبب وردھمان ہی کو ٹھہرایا اور کہا کہ چونکہ وہ بھی اس ناؤ پر سوار تھے اس لئے سبھوں کی جانیں بچ گئیں۔

اس طرح گھومتے پھرتے وردھمان نالندہ پہونچے اور چار مہینوں (چوماسہ) تک یہیں ٹھہرے رہے۔ یہاں ان کی ملاقات موکھل کے بیٹے گوسال سے ہوئی۔ گوسال اس زمانے کے ان سات افراد میں تھے جنھوں نے اس وقت کے مذہبی خیالات میں بڑی تبدیلیاں لائی تھیں۔ یہ بھی نئے نئے سادھو ہوئے تھے اور چوماسہ گذارنے یہاں آئے ہوتے تھے۔ دونوں میں دوستی ہوگئی اور پھر یہ اکٹھے برسوں تک جگہ جگہ گھومتے رہے۔

گھومتے پھرتے یہ دونوں ایک دن چورک پہونچے۔ اس دن دونوں کے خاموش رہنے (مون برت) کا دن تھا۔ سنسان جگہ میں دونوں دھیان لگائے بیٹھے تھے۔ شہر کے کوتوال نے دیکھا تو سمجھا کہ دونوں دشمن کے جاسوس ہیں۔ اس کی پوچھ گچھ پر بھی جب یہ کچھ نہ بولے تو کوتوال نے ان کو رسی سے باندھ کر کنویں میں لٹکا دیا اور پانی میں ڈبکیاں دینے لگا۔ لوگوں کی بھیڑ جمع ہوگئی۔ اس بھیڑ میں سوما اور جینتی نام کی دو سادھو عورتیں بھی تھیں۔ انھوں نے پہچان لیا کہ ان میں سے ایک آدمی تو راجہ سدھارتھ کا بیٹا وردھمان ہے۔ انھوں نے کہہ سن کر ان کو چھڑایا۔

اسی طرح گھومتے ہوئے مہاویر نے زندگی کے بارہ سال گذارے اور بڑی بڑی مشکلیں جھیلیں۔ انھیں ننگا دیکھ کر بچے ان پہ اینٹ اور پتھر پھینکتے۔ مگر یہ ہمیشہ خاموش رہتے اور سب کچھ سہہ لیتے تھے۔ انھوں نے ٹھنڈا پانی اور ہرے پتوں کا ساگ تک کھانا چھوڑ دیا تھا۔ جسم پر اتنا قابو پالیا تھا کہ اگر کھجلی محسوس ہوتی تھی تو کھجلاتے نہیں تھے۔ اگر جسم میں گرد وغیرہ لگ جاتی تو اُسے صاف کرنے کی کوئی کوشش نہیں کرتے تھے۔ اجاڑ جنگلوں، پیاؤ گھروں، لوہار بڑھئی وغیرہ کی دکانوں، پیال کے ڈھیروں اور جنگل کے پیڑوں کے نیچے تنِ تنہا وقت گذارتے تھے۔ اس طرح بارہ سال تک وہ سکھ کی نیند نہ سوئے۔ نیند آتی تو فوراً اٹھ کھڑے ہوتے اور ٹہلتے ہوئے دھیان میں لگ جاتے۔ جاڑوں میں کھلی جگہ سوتے اور سردیوں کا مقابلہ کرتے۔ اپنی اس تپیا کے سلسلے میں انھوں نے دور دور کا سفر کیا۔ بہار میں راج گرڑھ، بھاگلپور، مونگیر، سا... وغیرہ اور پوربی اترپردیش میں بنارس، کوشمبی، اجودھیا، سہیٹ مہیٹ، وغیرہ مقامات تک

گئے ۔بنگال میں راڑ وغیرہ کا سفر کیا۔ سب سے زیادہ مصیبت انھیں راڑ میں ہی جھیلنی پڑی۔ یہاں کے لوگ شرمن دھرم کے سخت مخالف تھے۔ یہاں لوگ مہاویر پر کتّے للکارتے تھے۔ لاٹھیوں، مکّوں، ڈھیلوں اور بھالوں سے ان پر حملہ کرتے تھے۔ ان کے جسم سے گوشت کاٹ کاٹ کر زمین پر پھینکتے تھے۔ انھیں اچھال اچھال کر زمین پر پٹک دیتے تھے۔ گڈھوں میں لٹکاتے تھے۔ غرضیکہ ان پر طرح طرح کے ستم توڑتے تھے۔

بارہ سال تک نہایت صبر آزما وقت گذارنے اور طرح طرح کی تکلیفیں جھیلنے کے بعد مہاویر نے جمبھیا نام کے گاؤں میں جو ریجو والیکا ندی کے کنارے ہے بیساکھ سُدی دشمی کے دن معرفت حاصل کیا۔

بارہ برس تک ہر طرح کی مصیبت سہتے ہوئے اور دنیا کے موہ مایا سے بچتے ہوئے انھوں نے ایسی لگن سے تپسیا کی تھی کہ انھیں مہاویر کہا جانے لگا۔ حواس خمسہ پر قابو پالینے کی وجہ سے انھیں جن بھی کہا گیا۔

معرفت حاصل کرنے کے بعد مہاویر نے لوگوں کو اپدیش (نصیحت) دینا شروع کیا۔ آپاپا نگہری میں گیارہ پنڈت ان سے بحث کرنے آئے ۔ مہاویر نے ایک ایک کر سبھی پنڈتوں کو معقول جواب دئے اور ان کے شک و شبہات دور کر دئے۔ پنڈتوں پر اس کا بڑا گہرا اثر ہوا اور وہ اپنی علمیت کے غرور کو بھول کر ان کے شاگرد بن گئے۔ اس کے بعد تو انھوں نے اپنے خیالات کو زور شور سے پھیلانا شروع کر دیا۔

ان گیارہ پنڈتوں کے ساتھ ان کے ہزاروں آدمی بھی ان کے پیرو بن گئے۔ ان گیارہ پنڈتوں کو مہاتما مہاویر نے اپنے اپنے شاگردوں کی جماعت کا سردار بنا دیا۔ چندنی پہلی عورت تھی جو ان کی شاگرد بنی۔ یہ انگ دیش کی راجکماری تھی جسے لٹیروں نے کسی سیٹھ کے ہاتھ بیچ دیا تھا۔ مہاویر نے ہی اسے آزاد کرایا تھا۔ جو لوگ ان کے وعظ و نصیحت سن کر ان کے معتقدین جاتے تھے مگر گھر گرہستی چھوڑ نہیں سکتے تھے انھیں "شراوک" اور شراد کا کہا گیا

۔اس طرح ایک جماعت قائم کی گئی۔

آپاپا میں کافی دن رہنے کے بعد وہ راج گرہ چلے گئے۔ راج گرہ، مگدھ کی راجدھانی تھی۔ مہاویر کی تعلیمات سے متاثر ہوکر مگدھ کے راجہ بمبسار جینی بن گئے۔ یہاں راجہ چیٹک کی چھوٹی بیٹی سوجیسٹھا بھی سادھو بن گئی۔ مہاویر نے اسے تربیت دے کر چندنا کی نگرانی میں دے دیا۔ مہاویر عوام سے سیدھی سادھی زبان میں بات کرتے تھے اور کہانیوں اور مثالوں کے ذریعے لوگوں کو اپنی باتیں سمجھاتے تھے۔ مگدھ میں ان کی نصیحتیں سن کر بہت سے لوگ جینی سادھو بن گئے۔ راجہ بمبسار کا بیٹا میگھ کمار بھی جین مذہب کا پیرو ہوگیا۔ جو لوگ گرہست جیون بتاتے ہوئے بھی جین مذہب کے پیرو رہنا چاہتے ہیں ان کے لئے سنیاسیوں کے مقابلے میں نرم قاعدے رکھے گئے تھے۔ دنیادار لوگوں کے پانچ انوورت اور سات سکشاورت مقرر کئے گئے۔ جین مذہب کے وہ پانچ انوورت یہ ہیں۔ گرہستی کے لئے جو ضروری نہ ہو ایسی ہنسا نہ کرنا۔ جھوٹ نہ بولنا اور کسی کو جھوٹ بولنے پر آمادہ نہ کرنا۔ چوری نہ کرنا۔ ایک سے زیادہ بیوی نہ رکھنا۔ اپنی خواہشوں پر قابو رکھنا، سات سکشاورتوں میں بھی بتایا گیا ہے کہ کون سا کام اچھا ہے اور کون سا بُرا۔

راج گرہ سے مہاویر ویشالی گئے۔ ان سے مل کر ان کے رشتہ داروں کو بڑی خوشی ہوئی۔ کشتریوں کے محلے میں مہاویر نے اپنے داماد جامالی کو تربیت و تعلیم دی جو ان کی بیٹی پریہ درشنی کے شوہر تھے۔ یہ بھی ان کی چیلی بن گئی اور چندنا کی نگرانی میں رہنے لگی۔ ان کے ساتھ ویشالی کی ایک ہزار اور عورتیں بھی ان کی مرید بن گئیں۔ جامالی کو بعد میں مہاتما مہاویر نے پانچ سو جین منیوں کا آچاریہ بنادیا۔

یہاں سے مہاویر کوسمبی گئے اور یہاں کے راجہ اُدین کی بہن جینتی کو مرید بنا کر اپنے حلقے میں شامل کر لیا۔ یہاں سے وہ کوسل گئے جہاں سمنو بھدر اور سوپرا تشٹ نام کے دو آدمی ان کے شاگرد بنے۔ آگے چل کر یہ دو آدمی بڑے نامی گرامی جینی منی ہوئے۔

چمپا سے شراوستھی جانے پر مہاویرجی کی گوسال سے آخری ملاقات ہوئی ۔ گوسال وہیں ایک ودھوا کمہارن کے ساتھ رہتے تھے ۔ دونوں مذہبی رہنماؤں میں کچھ رنجش ہوگئی ۔ روایت ہے کہ گوسال نے اپنی عبادت اور ریاضت کے ذریعے حاصل کی گئی طاقت کے زور پر مہاویر کے کنٹر چیلوں کو جلا ڈالا اور مہاویر کو بد دعا دی کی تم چھ مہینے میں مرجاؤ گے ۔ مہاویر نے یہ بددعا اسی پر لوٹادی اور ۶ مہینے کے اندر گوسال کی موت ہوگئی ۔ ان دونوں سادھوؤں کی مختلف جماعتوں میں ایسی لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں ۔ اس واقعہ کے بعد مہاویر سولہ سال تک زندہ رہے ۔

اس وقت تک ہزاروں آدمی ان کے شاگرد اور مرید بن چکے تھے ۔ سخت ریاضت اور بیماری کی وجہ سے ان کا جسم بھی بالکل لاغر ہو چکا تھا ۔ راج گرہ سے پاواپوری جاکر مہاویر اپنی زندگی کے آخری چار مہینے گذارنے لگے ۔ اپنی حالت دیکھ کر انھیں یقین ہوگیا تھا کہ اب وہ زندہ نہیں بچیں گے ۔ زندگی کی آخری رات تک پند و نصیحت کا سلسلہ جاری رہا ۔ گناہ کے بارے میں بچپن ، ثواب کے بارے میں پچپن اور بغیر پوچھے گئے سوالوں کے بارے میں چھتیس ، اس طرح کل ملاکر ایک سو چھیالیس نصیحتیں انھوں نے اسی زمانے میں کیں ۔ دیوالی کی رات کو ۶ دنوں کے روزے کے بعد مہاویر نے اس دار فانی سے کوچ کیا ۔

ان کے نروان یعنی (موت) کے بعد ان کی نصیحتوں کو کتابی شکل میں اکٹھا کیا گیا ۔ انھیں بارہ "سُتوں" میں تقسیم کر کے مرتب کیا گیا ہے ۔ مہاویر سے پہلے جین دھرم کی چار خاص اصول تھے ۔ اہنسا ، سچائی ، چوری نہ کرنا اور دان نہ لینا ۔ مہاویر نے ان میں برہم چرج کا اور اضافہ کر دیا ۔ انھوں نے ایک نئی بات اور رائج کی جو یہ تھی کہ سادھو سے کوئی گناہ یا قصور ہوا یا نہ ہوا ہو پھر بھی وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرے اور پرائشچت کی تقریب میں حصہ لے ۔

جین دھرم کو نند خاندان کے راجاؤں اور چندرگپت موریہ نے بہت پھیلایا ۔ چندرگپت موریہ کے دوران حکومت میں جین مذہب لگ بھگ سارے ہندوستان میں پھیل گیا ۔ لیکن بعد میں چندرگپت کے پوتے سمراٹ اشوک نے جین کے بجائے بدھ مذہب اختیار کیا اور اس کے

زمانے میں بدھ مذہب کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ پھر اشوک کے پوتے نے گجرات اور کاٹھیاوار میں اسی مذہب کو پھیلایا۔ اس نے اس مذہب کو پھیلانے میں طاقت بھی استعمال کی جو اس مذہب کے اصولوں کے خلاف ہے۔ دکھن میں چالوکیہ اور پلّو خاندان کے پہلے راجاؤں نے بھی جین مذہب کو کافی بڑھاوا دیا۔

مہاویر کی موت کے تقریباً چھ سو برس بعد جین مذہب دو شاخوں میں بٹ گیا۔ سویتامبر اور دگامبر۔ سویتامبر جین سفید کپڑے پہنتے ہیں اور دگامبر جین کپڑے نہیں پہنتے۔ جین مذہب کی یہ دونوں شاخیں آج بھی موجود ہیں۔

سوراشٹر میں گرنار، بہار میں پارس ناتھ اور راج گرہ، راجستھان میں سری مہاویر جی اور دل واڑہ مندر، اور میسور میں گومٹیشور باہوبلی جینیوں کے مشہور مقدس مقامات ہیں۔

یگجیت نول پوری

بُدھ

ڈھائی ہزار سال پہلے کی بات ہے۔

ان دنوں نیپال کی ترائی میں کپل وستو نام کا ایک شہر تھا۔ یہاں شاکیہ بستے تھے۔ ان کے پروہت گوتم خاندان کے تھے۔ ان دنوں پروہتوں کے خاندان میں بھی گوتر کا نام چلتا تھا۔ شاکیہ قوم گوتم گوتر سے بنی۔

کپل وستو کوئی بڑی ریاست نہ تھی۔ یہ کوشل کے ماتحت تھا۔ یہاں دھان خوب ہوتا تھا۔ اس دھان سے بہت عمدہ چاول نکلتا تھا۔ وہاں کے سردار کا نام شدّودھن شاید اسی وجہ سے تھا۔ شدّودھن کے دوسرے بھائی کا نام بلوّدھن تھا جس کا مطلب بھی چاولوں سے ملتا جلتا ہے۔

یہی شدّودھن بدھ کے والد تھے۔ ماں کا نام مایا دیوی تھا۔ وہ بڑی حسین تھیں۔ بدھ کی پیدائش کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کی ماتا نے ایک خواب دیکھا کہ ایک سفید ہاتھی اپنی سونڈ میں کنول کا پھول لئے آسمان سے اُترا اور ان کی کوکھ میں سما گیا۔ جب بچہ پیدا ہونے کا وقت نزدیک آیا تو وہ اپنے میکے دیودھ روانہ ہوئیں جو زیادہ دور نہ تھا۔ مایا دیوی پالکی میں روانہ ہوئیں۔ راستے میں لمبنی کا جنگل ملتا تھا۔ جنگل انھیں اتنا خوبصورت لگا کہ وہ اسے دیکھنے کے لئے پالکی سے اتر پڑیں، اور ایک ڈال کا سہارا لے کر کھڑی ہو گئیں۔ یہیں بدھ پیدا ہو گئے۔ اسی دن بیساکھ کی پونم تھی۔

لمبنی میں جس مقام پر بدھ کی پیدائش ہوئی تھی وہاں سمراٹ اشوک نے ایک

لاٹ بنوادی تھی۔ جسے آج بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ جگہ اتر پورب ریلوے کے نوتنوا اسٹیشن سے یارہ میل شمال کی جانب ہے اور رومن دئی کہلاتی ہے۔

لڑکے کی پیدائش سے ماں باپ کی دلی آرزو پیدا ہوئی۔ بچے کا نام سدھارتھ رکھا گیا۔ آست رشی بچے کو دیکھنے آئے۔ بچے کو دیکھ کر پہلے ہنسے اور پھر روئے۔ وجہ پوچھنے پر بولے۔ ہنسا اس لئے کہ مہاتما پیدا ہوا ہے۔ روئے اس لئے کہ اس کے مہاتما ہونے سے پہلے ہی میں مر جاؤں گا۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ روایت بعد میں گھڑی گئی ہے۔ سات دن کے اندر ہی مایا دیوی چل بسیں، اور سدھارتھ کی پرورش ان کی خالہ اور سوتیلی ماں پرجاپتی دیوی نے کی۔

سدھارتھ کے بچپن کی باتوں کا زیادہ علم نہیں۔ وہ بڑے ہونہار تھے۔ تھوڑے ہی دنوں میں بہت کچھ سیکھ گئے۔ کھیل کود سے دور رہتے اور ہر وقت کچھ سوچتے رہتے تھے۔

دیودت ان کا چچیرا بھائی تھا۔ ایک بار اس نے تیر سے ایک ہنس مار گرایا۔ سدھارتھ نے دوا دارو کر کے اس ہنس کی جان بچائی۔ ہنس کے لئے دونوں میں جھگڑا ہوا۔ دیودت نے کہا کہ ہنس میں نے گرایا ہے، ہنس میرا ہے۔ سدھارتھ نے کہا "ہنس مر رہا تھا۔ میں نے اسے بچایا ہے۔ ہنس میرا ہے"۔ آخر میں یہی فیصلہ ہوا کہ ہنس سدھارتھ کے پاس رہے۔ سدھارتھ نے ہنس کے زخموں پر دوا لگائی اور جب وہ اچھا ہو گیا تو اسے اُڑا دیا۔

سدھارتھ کی پرورش شاہانہ ٹھاٹھ باٹ سے ہوئی۔ انھیں آرام پہنچانے اور خوش رکھنے کا پورا انتظام کیا گیا تھا۔ تینوں رتوں کے لئے تین محل تھے۔ جاڑے کا الگ، گرمی کا الگ اور برسات کا الگ۔ مگر سدھارتھ کی طبیعت اچاٹ رہتی تھی۔ اپنے بیٹے کی اداسی دیکھ کر شدودھن نے ان کی شادی کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ شدودھن نے ایک تقریب منعقد کی جس میں ہزاروں شاکیہ لڑکیاں جمع ہوئیں۔ ان ہی لڑکیوں میں سے سدھارتھ نے ایک لڑکی پسند کی۔

اس لڑکی کا نام کیا تھا؟ پالی کی کتابوں میں بیٹے کے نام پر راہل ماتا کہا گیا ہے۔ لیکن

گوپا، یشودھرا، اتپل ورنا، بھدرا، بمبا جیسے مختلف نام بھی ملتے ہیں۔ شادی کے وقت سدھارتھ سولہ سال کے تھے۔ عیش و مسرت کا ہر سامان موجود تھا۔ لیکن سدھارتھ کا دل بے چین رہتا اور کسی نہ کسی فکر و تردد میں ڈوبے رہتے۔ ایک دن ایک بوڑھے کو دیکھا تو سوچنے لگے کہ جوانی چند دنوں کی ہے۔ ایک دن میں بھی بوڑھا ہو جاؤں گا۔ ایک بیمار کو دیکھا تو سوچ میں پڑ گئے کہ یہ جسم بیماریوں کا گھر ہے۔ میں بھی ہمیشہ تندرست نہیں رہ سکتا۔ ایک ارتھی دیکھی تو فکر میں ڈوب گئے کہ یہ زندگی تھوڑے دنوں کی ہے۔ ایک دن میں بھی مر جاؤں گا۔ غرضیکہ اسی طرح کی باتیں سوچتے رہتے اور ان باتوں کی طرف توجہ نہ کرتے جوان کے سن کا تقاضا تھیں۔

ایک سنیاسی کو دیکھ کر انھیں بھی سنیاس لینے اور دنیا تیاگ دینے کی دھن سوار ہوئی۔ کیونکہ مرض، بڑھاپا اور موت کے وجوہ کا پتہ لگانے کا یہی ایک راستہ تھا۔

شادی کے تیرہ سال بعد لڑکا پیدا ہوا۔ سدھارتھ نے سوچا کہ یہ تو راہل (رکاوٹ) پیدا ہوا ہے۔ اگر اس وقت سنیاس نہ لیا تو پھر موہ مایا میں پھنس جاؤں گا۔

شدّودھن نے خوش ہو کر پوتے کا نام راہل ہی رکھا۔

سدھارتھ دنیاوی لذّتوں سے لطف اندوز ہوتے تھے مگر سوچتے تھے کہ اس سکھ کا کیا بھروسہ جو آج ہے کل نہیں۔ اس لئے وہ ایسی خوشی کی تلاش میں تھے جو دائمی اور مستقل ہو۔ وہ ہر وقت مضطرب اور بے چین رہتے تھے۔ یہ بات کسی سے چھپی نہ تھی۔ وہ اپنی بیوی اور اپنے والد سے بھی سنیاس لینے کی باتیں کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ باپ نے سنیاسی بننے سے باز رکھنے کی بڑی کوششیں کیں مگر بیوی نے ہمیشہ بڑھاوا دیا۔ سنیاس لینے کا خیال بہت دنوں سے ذہن میں چکر لگا رہا تھا۔ راہل کی پیدائش کے بعد خیال ہوا کہ اب زیادہ دیر کرنا ٹھیک نہیں۔

رات کا وقت تھا۔ سدھارتھ نے سوچا کہ اب چل نکلنا چاہئے۔ ارادہ ہوا کہ سوئے ہوئے راہل اور اس کی ماں کو جگا کر مل لیں پھر خیال آیا کہ کہیں ان کی محبت نے قدم روک لئے تو؟

راہل کا چہرہ ماں کے بازوؤں سے ڈھکا ہوا تھا۔ بیٹے کو نظر بھر دیکھنے کی خواہش نے بے چین

کیا۔ سوچا کہ باز وہشادوں پھر خیال آیا کہ کہیں گوپا جاگ نہ جائیں اور رونا دھونا شروع کر دیں۔ اس لئے بچے کو دیکھنے کی خواہش پر قابو پا لیا۔ اپنے پیارے گھوڑے کنتھک پر زین کسی۔ چھنن نامی سائیس کو ساتھ لیا اور ویشالی کی طرف چل دیتے۔ انو پریہ نامی گاؤں میں پہونچ کر چھنن کو واپس کر دیا۔ گہنے کپڑے اتار کر اسے دیدئے اور تلوار سے بال کاٹ کر سنیاسی کی صورت بنالی۔ اسی گاؤں کے مضافات میں کچھ دنوں تک تن تنہا عبادت کرتے رہے۔ جب کچھ سکون قلب نصیب ہوا تو ویشالی کی طرف چل پڑے۔

ویشالی ان دنوں بڑا مشہور شہر تھا۔ اور لچھوی جمہوریہ کی راجدھانی تھا۔ جمہوریہ کے سبھی لوگ مل جل کر راج کرتے تھے۔ ملک خوش حال اور لوگ سکھی تھے۔ یہاں علم کا بھی بہت چرچا تھا۔ جین سادھوؤں کا بھی جمگھٹا تھا۔ بڑے بڑے عالم فاضل جمع تھے اور دور دور سے طالب علم آتے تھے۔ سدھارتھ گیان کی تلاش میں یہاں آئے تھے۔ یہاں انھوں نے آلار کالام نام کے برہمن سے دھیان کے طریقے سیکھے مگر دل کی بے چینی کم نہ ہوئی اور ادھر اُدھر گھومتے پھرتے رہے۔ شراوستی اور راج گرہ کا بھی چکر لگایا۔ کئی گروؤں کی شاگردی کی۔ گروا نھیں بہت مانتے تھے۔ وہ ان سے علم حاصل کرتے اور آگے چل پڑتے۔

بھیک میں ملا ہوا اناج کھانے میں پہلے اُبکائی آتی تھی۔ پھر دھیرے دھیرے دل کو سمجھا لیا۔ مگدھ کے راجہ بمبسار نے گذارش کی کہ زمین جائیداد دیتا ہوں یہیں بس جایئے مگر سدھارتھ نہ ملنے مگر اتنا وعدہ کرنا پڑا کہ گیان حاصل کرنے کے بعد کچھ دن یہاں گذاریں گے۔

وہاں سے چل کر گیا کے پاس ایک پہاڑی میں کچھ دنوں تک عبادت اور ریاضت کی۔ مگر یہ جگہ بڑی بھیانک تھی۔ سادھنا (عبادت) میں خلل پڑتا تھا۔ اسی لئے وہاں سے ہٹ کر نرنجرا (نجلان) کے کنارے واقع اور بیلا گاؤں میں آگئے۔ یہاں اور بھی کئی تپسوی تھے۔ پانچ بھکشو ایسے بھی تھے جو سادھنا میں سدھارتھ کی مدد کرتے تھے۔

ان دنوں لوگ علم اور معرفت حاصل کرنے کے لئے تپیا کرتے تھے۔ انھوں نے بھی یہی کیا

بھو کے رہ کر دھیان کرنے لگے۔ کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ لیکن ہمّت نہ ہارے۔ سالن رعہ کی، گوشت سُکھایا۔
سوکھ کر کانٹا ہوگئے۔ ایک دن تو بیہوش ہو گئے۔ گاؤں کی نرتکیاں (رقاصائیں) ناچتی چلی جارہی تھیں
اور گا رہی تھیں۔ بین کے تاروں کو بہت ڈھیلا نہ کرو ورنہ بجے گا نہیں۔ بین کے تاروں کو بہت کھینچو بھی
نہیں ورنہ ٹوٹ جائے گا۔ یہی نغابیچ کا راستہ۔ دنیاوی لذتوں میں ڈوبے رہنا یا نہایت کٹھن اور تکلیف
دہ ریاضتیں کرنا دونوں انتہا پسندی کی صورتیں ہیں۔ نہ بہت سُکھ اور نہ بہت دُکھ۔ ہوش میں آئے تو
سوچا کہ جسم کو اتنی اذیتیں دینا بیکار رہی ہے۔

سادھنا کے دنوں میں سجاتا نام کی گوالن انھیں کھیر کھلا جاتی تھی۔ سجاتا اس مہان آتما کو اپنی
عقیدت کے طور پر یہ نذرانہ پیش کر جاتی تھی۔ اس کی اس عقیدت سے سدھارتھ کو بھی اطمینان حاصل
ہوگیا کیونکہ انھیں دان مانگنے کے لئے ادھر اُدھر جانے کی ضرورت نہ رہ گئی تھی۔ وہ بڑی یک سوئی
اور سکون قلب کے ساتھ دھیان میں لگ گئے۔ اسی لئے بودھ مذہب کے پیرو سجاتا کے بڑے
احسان مند ہیں۔

انھوں نے پھر کھانا پینا شروع کر دیا۔ مددگار سادھوؤں نے جب دیکھا کہ انھوں نے تپسیا
چھوڑ دیا ہے تو وہ انھیں چھوڑ کر چلے گئے۔ جب سدھارتھ کے جسم میں کچھ طاقت آئی تو پھر بھیک مانگنے
کے لئے نکلنے لگے۔ اروبیلا سے ہٹ کر کسی نزدیکی جنگل کو اپنا مسکن بنایا۔

جسم صحت مند ہو جانے کی وجہ سے عبادت بھی ٹھیک سے ہونے لگی۔ دھیان کی چوتھے درجے
میں داخل ہونے کے بعد کئی کئی دن تک دھیان میں ڈوبے رہتے۔ ان دنوں ان کے دل کی حالت کیا
تھی اسے بیان کرنا ناممکن ہے۔ ایک مرتبہ سارا دن اور ساری رات سدھ بدھ بھول کر دھیان لگائے
بیٹھے رہے۔ صبح کے وقت انھیں ایسا محسوس ہوا کہ گتھی سلجھ گئی ہے۔ آنکھوں کے سامنے سے سارے
پردے ہٹ گئے اور پوری حقیقت کا پتہ چل گیا۔ چھ برسوں کی ریاضت سوارت ہوئی۔ سدھارتھ
" بدھ " ہو گئے۔ جس جگہ انھیں یہ بودھ یا گیان حاصل ہوا تھا وہ جگہ بودھ گیا کے نام سے
مشہور ہے۔

گیان حاصل ہونے کے بعد بھی مہاتما بدھ یہیں رہے۔ اس جنگل سے اس جنگل یا اس درخت سے اس درخت کے نیچے جگہ بدلتے رہے۔ اس طرح انھوں نے اپنے مذہب، فلسفے اور جماعت کے اصولوں کے بارے میں بہت ساری باتیں یہیں سوچ لیں۔

اب لوگوں سے ملنے جلنے بھی لگے۔ سات ہفتے بعد اُتکل کے تپسّو اور بھلک نام کے دو سوداگر مال لادے جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ پانچ سو گاڑیاں تھیں۔ کئی گاڑیاں پھنس گئیں جسے بدھ نے نکال دیں۔ انھوں نے بدھ کو کھلایا پلایا اور ان کا اپدیش سنا۔ یہ سوداگر سب سے پہلے ان کے معتقد بنے۔

بدھ عجیب کشمکش میں مبتلا تھے۔ جو گیان انھیں حاصل ہوا ہے وہ اپنے تک ہی محدود رکھیں یا دنیا میں بھی پھیلائیں۔ لیکن کیسے پھیلائیں۔ کہیں ان کا مضحکہ نہ اڑایا جائے۔ مگر رفتہ رفتہ سارے وسوسے ان کے دل سے نکل گئے۔ اور انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنا پیغام دنیا کے سامنے ضرور پیش کریں گے اور لوگوں کے اگیان کو اپنے گیان سے دور کریں گے۔

مگر پہلے کس کو تبلائیں۔ اپنے گرودں کا خیال آیا لیکن وہ مر چکے تھے۔ وہ کاشی کے پاس رشی پتن مرگ داؤ (سارناتھ) پہونچے۔

رشی پتن پہونچ کر بودھ کو اپنے وہ پانچوں شاگرد ملے جو ان کی تپسیا کو ناکام سمجھ کر انھیں چھوڑ کر چلے آئے تھے۔ بودھ نے ان ہی پانچوں کو سب سے پہلے اپنا اپدیش دیا۔ اسی کو "دھمّہ چکّہ پوتن" یعنی مذہب کے پہیے کو چلانا کہتے ہیں۔ بودھ نے ان برہمنوں کو بتایا کہ زندگی کا ایک راستہ حد درجہ عیش و عشرت کا ہے۔ اور دوسرا راستہ بڑی سخت اور کٹھن تپسیا کا ہے۔ مگر صحیح اور بہتر راستہ بیچ کا ہے۔ یعنی انسان نہ عیش و عشرت میں ڈوب کر رہ جائے اور نہ وہ ہر وقت عبادت اور ریاضت میں ہی لگا رہے۔ بدھ کی نصیحتیں بیچ کا راستہ اپنانے کی تلقین کرتی ہیں۔ اس کے آٹھ اصول ہیں۔ صحیح نظر رکھنا، صحیح ارادہ کرنا، سچ بولنا، اپنے اعمال کو صحیح رکھنا، صحیح طریقے سے روزی کمانا، صحیح طریقے سے کوشش کرنا، صحیح یادداشت رکھنا اور ٹھیک سمادھی لگانا۔ ان آٹھ اصولوں پر عمل کرنے سے

آدمی نجات حاصل کر لیتا ہے۔ یعنی نہ تو وہ دوبارہ جنم لیتا ہے اور نہ مرتا ہے۔

رفتہ رفتہ بدھ کی تعلیمات پھیلنے لگیں اور ان کے ماننے والوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ اس لئے بدھ نے اپنے شاگردوں کی ایک جماعت بنالی۔

یہی پانچ بھکشو بدھ کی جماعت کے پہلے رکن تھے۔ رفتہ رفتہ اس میں اضافہ ہونے لگا۔ بھکشو ملک کے مختلف حصّوں میں جاکر اپدیش دینے لگے۔

رشی پتن سے چل کر بدھ اروبیلا پہونچے۔ وہاں ایک ہزار سادھو اور ان کے تین نیتا ان کی جماعت میں شامل ہوگئے۔

اروبیلا سے راج گرہ گئے۔ راجہ بمبسار نے اپنے ہاتھوں سے سبھوں کو کھلایا پلایا اور وینوون دان میں دے دیا۔ یہیں ساری پتّہ اور موگلّان نام کے دو عالم فاضل برہمن ان کے شاگرد بنے۔ اس سے بدھ مذہب کی عظمت اور شہرت میں بہت اضافہ ہوا۔ اس جماعت کے اصول شاکیوں کی سنگھیا، کچھ ویشالی کی جمہوریت اور کچھ عوامی روایات سے اخذ کئے گئے تھے۔ دنیا کی بھلائی کرنا اور لوگوں کو ان کے دکھوں سے چھٹکارا دلانا اس جماعت کا خاص مقصد تھا۔ اس جماعت سے تعلق رکھنے والے سادھو سادی زندگی گذارتے، بھیک مانگ کر کھاتے پہنتے اور روپئے پیسے رکھنے سے پرہیز کرتے تھے۔

اس جماعت کا دوسرا پڑاؤ کپل وستو میں ہوا۔ شدّودھن اور تمام رانیوں کو بدھ نے اپدیش دیا۔ بیوی نے راہل کو آگے کرکے اشیرواد مانگا تو بدھ نے اس لڑکے کو بھکشو بنا لیا۔ ان کے سنیاس کے علاوہ اور تھا ہی کیا جو اسے دے سکتے۔ اس سے شدّودھن کو بڑی ٹھیس لگی۔ ان کے دکھ کو دیکھ کر بدھ نے یہ قاعدہ بنادیا کہ ماں باپ کی اجازت کے بغیر کسی کو بھکشو نہیں بنایا جا سکتا۔

اس طرح بدھ پینتالیس برس تک جگہ جگہ گھوم کر لوگوں کو سچّائی کا راستہ دکھاتے رہے۔ ان کا سارا وقت دنیا کی بھلائی کے کاموں میں گذرتا تھا۔ جس آدمی کے آگے بڑے بڑے سیٹھ ساہوکار جھکتے تھے وہ باقاعدہ روز سویرے بھیک مانگنے نکلتا اور چپ چاپ آنکھیں جھکائے

کسی کے دروازے پر کھڑا ہو جاتا۔ برتن بھرتے ہی لوٹ آتا اور کھانا کھاتا، بھکشوؤں کو گیان دھیان کی باتیں بتاتا، سب کے کھانے کے بارے میں پوچھتا، دوپہر کو عبادت کرتا اور جنتا کو اپدیش دینے کے بعد دھیان کرتا ہوا سو جاتا۔ یہ انسانیت سے پیار و محبّت کا ہی نتیجہ تھا کہ انھوں نے لوگوں کو صحیح راستہ دکھانے کا مشکل کام اپنے کندھوں پر لیا۔ ورنہ انھیں کیا پڑی تھی کہ اپنا سکھ چین چھوڑ کر مارے مارے پھرتے۔

اس وقت بے جا رسمیں اور ظاہری رسم و رواج ہی مذہب کی روح بن گئے تھے۔ سماج میں بہت سی برائیاں آگئی تھیں۔ مذہب کی سچی اور سیدھی سادھی باتیں ختم ہو رہی تھیں اور ان کی جگہ ڈھونگ اور ڈھکوسلوں نے لے لی تھی۔ ذات پات کی بندشوں نے لوگوں کو ٹکڑوں میں بانٹ دیا تھا۔ پنڈتوں کی الگ زبان تھی سنسکرت۔ سارے علوم اسی زبان میں لکھے ہوئے تھے مگر عوام اس زبان سے واقف نہ تھے۔

بدھ نے ہمت سے کام لیا۔ انھوں نے مذہب کے نام پر ڈھکوسلوں کے خلاف بھرپور حملہ کیا۔ اپنا اپدیش انھوں نے عوام کی زبان پالی میں دیا جسے سب سمجھتے تھے۔ عالم بھی اور گنوار بھی۔ بعد میں بدھ کی تعلیمات میں بہت سی غلط باتیں شامل ہو گئیں اور اس میں بہت سی برائیاں آگئیں۔ رفتہ رفتہ ہندوستان سے بدھ مذہب کے قدم اکھڑ گئے لیکن آج بھی ملک میں بودھوں کی ہی ایک ایسی جماعت ہے جو بڑی شدّت سے ذات پات کی مخالفت کرتی ہے۔

خدا کے بھروسے پر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے انسان بے عمل ہو جاتا ہے۔ اس لئے مہاتما بدھ نے حرکت اور عمل کی تعلیم دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے عمل سے ہی اپنے آپ کو بلند کر سکتا ہے یا پستی میں جا سکتا ہے۔ انھوں نے ملک سے بے حسی اور بے عملی کو دور کرنے کے لئے بہت کچھ کیا اور جنتا کو اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی تعلیم دی۔

بدھ نے بدھی (عقل) کو ہی اہمیت دی ہے۔ وہ کہتے۔ کوئی کام یوں ہی آنکھ بند کر کے نہ کرو۔ سوچ سمجھ کر کرو۔ جو سچ لگے وہی مانو، اور میری بات بھی اتنی ہی مانو جتنی تمھاری سمجھ میں آئے،

جتنی تمہاری عقل کی کسوٹی پر پوری اترے۔

بدھ نے عقل کے دروازے سبھوں پر کھول دئے۔ عورتیں اور شودر بھی گیان کے امرت سے فیض یاب ہونے لگے۔ بدھ نے کٹرپن کی سخت مذمت کی ہے۔ انھوں نے سکھایا کہ ہمیں ہٹ دھرمی کے بجائے دوسروں کی رائیوں کی بھی قدر کرنی چاہئے۔ بدھ مذہب کا پیغام امن اور شانتی کا پیغام ہے۔ اسی لئے اس کی بنیاد ان اصولوں پر ہے جو پوری انسانیت کو سکھی بنانے کے لئے ہیں۔

بڑھاپے میں بودھ اپنی جماعت کی طرف سے دل گرفتہ ہو گئے تھے۔ جماعت میں پھوٹ پڑ گئی تھی۔ اس میں مطلبی لوگ گھس آئے تھے۔ کئی چہیتے شاگرد مر چکے تھے۔ بدھ بھی سمجھ چکے تھے کہ اب آخری وقت آگیا ہے۔ اس لئے وہ سنگھ کی طرف سے کھنچے کھنچے رہتے تھے۔

اسی برس کا بوڑھا جسم اور بھگت چند لوہار کے گھر کا کھانا۔ بدھ پیچش کے مرض میں مبتلا ہو گئے۔ کشی نارا (کسیا ضلع دیوریا) میں سال کے جنگل میں انھوں نے دو پیڑوں کے بیچ آسن لگوایا اور لیٹ کر آخری سمادھی لگائی۔

ان کا آخری وقت دیکھ کر شاگرد رونے لگے۔ تب بدھ نے اپنے چہیتے شاگرد آنند کو اپنے پاس بلا کر نصیحت کی۔ آنند آنسو نہ بہاؤ۔ مایوس نہ ہو جو پیدا ہوا ہے اسے ایک دن مرنا ضرور ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ میرے بعد تمہارا کوئی گرو نہ ہوگا۔ میری نصیحتیں اور اپدیش تمہاری رہنمائی کریں گی۔ اسی پر عمل کرنا۔

بدھ کی موت کے کافی عرصے بعد اس مذہب کی دو شاخیں ہو گئیں۔ ہینیانا اور مہایان۔ بدھ مذہب کے بارے میں ہمیں زیادہ تر جانکاری پالی کی کتاب "ترپٹک" سے ہوتی ہے۔

آج ایک تہائی دنیا بدھ دھرم کو مانتی ہے۔ لیکن ایک کام اب بھی رہ گیا ہے وہ یہ کہ آج کے علوم کی روشنی میں بدھ کے اپدیشوں کی اہمیت کا اندازہ کرنا۔

اس وقت نفرت کی آگ سلگ رہی ہے۔ دیش دھرم اور رنگ و نسل کی بنیاد پر انسان

ایک دوسرے سے نفرت کرتا ہے۔ لیکن اگر دنیا والے سچے دل سے مہاتما بودھ کی باتوں پر عمل کریں تو دنیا کے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

بدھ نے کوئی مندر بنایا اور نہ خانقاہ، نہ کوئی ملک فتح کیا اور نہ کوئی حکومت قائم کی بلکہ تاج و تخت کو ٹھکرا کر سنیاس لے لیا۔ انھوں نے لوگوں کے دل جیتے۔ انسانیت کی خدمت کی اور لوگوں کو سچائی کا راستہ دکھایا۔ اسی لئے ان کا نام آج بھی زندہ ہے اور رہتی دنیا تک زندہ رہے گا۔

یگجیت نول پوری

پانِنی

آج تک نہ جانے کتنی زبانیں پیدا ہوئیں، پھولیں پھلیں اور بولی گئیں، نہ جانے کتنی مٹ گئیں۔ کتنی زبانیں مٹ کر نئی شکلوں میں بدلی گئیں مگر کتنوں کا نام و نشان بھی باقی نہیں ہے۔ آج بھی دنیا میں ہزاروں زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ان میں ایک بھاشا ایسی ہے جو ہزاروں برس پرانی ہے اور شاید کبھی مٹے گی بھی نہیں۔ وہ ہے سنسکرت۔ اور جس شخص نے اس زبان کو بہتر بنانے میں حصہ لیا ہے اس کا نام ہے پانِنی۔ پانِنی نے سنسکرت کی نہایت اچھی اور عمدہ قواعد (گرامر) لکھی ہے۔

تین ہزار سال پہلے جہلم اور چناب کے اتر پچھم کا علاقہ گاندھارا کہلاتا تھا۔ اس علاقے میں آج کل یوسف زئی پٹھان آباد ہیں۔ اسی زمانے میں وہاں دشنگ نام کی ایک قوم رہتی تھی۔ دکشوں کی اپنی جمہوریت قائم تھی۔ دکشوں کے ملک میں کابل ندی پچھم سے آکر سندھو ندی میں مل جاتی تھی۔ ندیوں کے سنگم سے کوئی چار میل اور اوپر ہٹ کر ایک گاؤں ہے لہور۔ قیاس ہے کہ یہی گاؤں پانِنی کی جنم بھومی ہے۔ اُن دنوں اس کا نام شلاتُر تھا۔ پانِنی کی موت سے بارہ سو سال تک یہ گاؤں اسی نام سے آباد تھا کیونکہ چینی سیاح ہوان سانگ یہاں آیا تھا اور اس نے لکھا تھا کہ شلاتُر کے برہمن سنسکرت قواعد کی بڑی اچھی واقفیت رکھتے ہیں۔

شلاتُر اصل میں پانِنی کا ننھیال تھا۔ ان کے دادا وشنو شرمن پنن تھے۔ وہ واہیک کی طرف کے رہنے والے تھے۔ اس خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ان کا خاندانی نام پانِنی پڑا۔ وشنو شرمن کے بیٹے ساعن پانِنی کے بیٹے آہستہ پانِنی اتنے مشہور ہو گئے کہ ان کے اصلی نام کو لوگ بھول گئے۔ قواعد کے مشہور عالم ایک ہی تھے جو پانِنی کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کی پیدائش حضرت عیسیٰ کی ولادت سے

۵۰۰ برس پہلے ہوئی تھی۔

پانی کے اور بھی کئی نام تھے۔ ان کا تعلق شلانکی گوتر سے تھا۔ گاؤں کے نام پہ ایک نام شالاتر یہ بھی تھا۔ یہ نام اس لئے پڑا تھا کہ ساہن پانی اپنی سسرال شلاتر میں ہی بس گئے تھے۔ یہ وہاں پڑھانے تھے۔ ویسے کچھ رچنائیں رچ کر وہ رشی بھی بن چکے تھے۔ ایک ادر پنگل شلاتر میں ہی پیدا ہوئے تھے۔

پانی کے استاد کا نام ورش تھا۔ یہ بہت بڑے عالم تھے۔ پانی بچپن میں ہی ورش سے پڑھنے لگے۔ ان دنوں طالب علم تعلیم ختم کرنے کے بعد ملک کی سیاحت کو نکلتے تھے۔ اس طرح کے سفر کو "چاریکا" کہتے تھے۔ چاریکا میں وہ اپنے ملک کے لوگوں، ان کے کھانے پینے، رسم ورواج وغیرہ کی جانکاری حاصل کرتے تھے۔ جو کچھ استاد سے سیکھتے تھے اس پر عمل کرنے کی مشق کرتے تھے۔ اور طرح طرح کے فنون وہنر سیکھتے تھے۔ چاریکا ہی کے ذریعے انھیں بہت سی نئی باتیں سیکھنے اور جاننے کا موقع ملتا تھا۔

پانی بھی پڑھائی پوری کرنے کے بعد سیاحت کے لئے نکلے۔ اس کے ساتھ جو سفر کرنے والے طلبا رہتے ان میں دیاڈی ورو چی بھی تھے۔ کچھ آگے پیچھے تینوں نے ہی نئی باتیں دریافت کیں اور تینوں نے ہی علمی کتابیں لکھیں۔ سیاحت کے دوران میں پانی گھومتے ہوئے ہمالیہ پہونچے۔ یہاں ان کی ملاقات ایشور دیو نام کے ایک عالم سے ہوئی۔

پانی نے ایشور دیو کو اپنا منصوبہ بتایا۔ منصوبہ یہ تھا کہ ادب اور بول چال کی زبان میں اصلاح کی جائے۔ اس کے لئے پانی نے سوچا تھا کہ زبان کے استعمال میں جو غیر معین اصول ہیں انھیں معین کر دیا جائے اور جو چیزیں قاعدے یا اصول کی پابند نہیں ہیں انھیں قاعدے کے تحت لایا جائے۔ جو غلط ہیں انھیں صحیح بنایا جائے۔ جن قاعدوں میں ڈھیلا پن ہے انھیں ٹھیک کر دیا جائے۔ جن اصولوں میں کوئی خرابی ہو ان کی اصلاح کر دی جائے۔ اور نئے اصول بھی وضع کئے جائیں۔

ایشور دیو نے پانی کے منصوبے کو بڑا پسند کیا اور کہا کہ تمھارا منصوبہ حیرت انگیز ہے

اس کام میں تمھاری پوری مدد کروں گا۔

ایشور دیو سے ملنے کے پہلے ہی پانِنی سارے ملک کی سیاحت کر چکے تھے۔ سندھو کے دہانے سے آسام تک اور ہمالیہ سے گوداوری تک کا چپہ چپہ چھان مارا تھا۔ وہ ہر منڈلی یا جماعت کے ساتھ کافی دنوں تک رہے اور وہاں کی مذہبی، سماجی، معاشی، سیاسی اور تہذیبی پہلوؤں کا بڑا گہرا مطالعہ کیا۔ جہاں کہیں کوئی نئی بات، نئی چیز، نیا ڈھنگ، نیا لفظ یا کسی پرانے لفظ کا کوئی نیا مطلب، یا کسی پرانے معنی کا نیا روپ دیکھا تو اسے حافظے میں محفوظ کر لیا۔ اس طرح پانِنی نے مختلف جگہوں کی بول چال، الفاظ کا استعمال اور ان کے معنی کی کافی چھان بین کر کے ان کے طریقِ استعمال کے اصول طے کئے۔ یہ کام بڑی مستقل مزاجی، محنت اور لگن کا تھا۔ پانِنی کو اس سلسلے میں کتنی دقتیں پیش آئی ہوں گی۔ اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

سارا مواد اکٹھا کرنے میں پانِنی کو ایک سے ایک دلچسپ باتیں معلوم ہوئی ہوں گی۔ پانِنی ہمالیہ کے ایک تنہا گوشے میں بیٹھ گئے اور اپنے آرام کا کوئی خیال کئے بغیر دن رات لفظوں کو چھانٹنے اور انھیں مختلف درجوں میں بانٹنے میں لگ گئے۔ زبان کے لئے ایک اصول وضع کرنا اور اس اصول کے ماتحت لفظوں کو صحیح اور غلط قرار دینا مشکل کام تھا۔

الفاظ کی تقسیم یا درجہ بندی اس طرح نہیں کی جا سکتی جیسے چھوٹے بڑے آلوؤں کو الگ الگ ڈھیریوں میں بانٹ دیا جاتا ہے۔ ایک ایک لفظ کے پیچھے ایک کہانی ہوتی ہے۔ ہر لفظ کی اپنی شخصیت ہوتی ہے اور اس کے بہت سے پہلو ہوتے ہیں اور ہر لفظ کے کئی معنی ہوتے ہیں۔ اس طرح ایک ایک لفظ کے کئی کئی اسلوب اور کئی مفہوم ہوتے ہیں اور وہ مختلف درجوں میں رکھا جا سکتا ہے۔ لہٰذا یہ کام اتنا مشکل ہے کہ کوئی اکیلا آدمی خواہ وہ بڑا عالم کیوں نہ ہو اس کو انجام دینے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ لیکن پانِنی اکیلے ہی اس کام میں لگے اور اس کو پورا کر ڈالا۔

جو کتاب تیار ہوئی اسے گن پاٹھ کہتے ہیں۔ یہ کتاب دنیا میں اپنی قسم کی پہلی کتاب تھی۔ ان سے پہلے کسی نے اس موضوع پر قلم نہیں اٹھایا تھا

گن پاٹھ مرتب کرنے کا مقصد یہ تھا کہ کسی بھی زبان میں ایک دوسرے سے میل کھاتے ہوئے لفظ ایک گن، یا درجے میں رکھ دیئے جائیں۔ اس طرح بکھرے ہوئے الفاظ ایک جگہ جمع ہو جائیں گے۔

جب گن پاٹھ مکمل ہوئی تو گویا ایک عظیم کارنامہ وجود میں آیا۔ لیکن ابھی تو کام کی شروعات ہی تھی۔ جس شاستر کو پورا کرنے کے لئے پانینی نے اتنی زحمتیں اٹھائی تھیں وہ تو اب شروع ہونے والا تھا۔ انھوں نے مسلسل محنت کی اور اپنے دل ودماغ کی ساری قوتوں کو لگا کر قواعد کی ایک کتاب مرتب کر ڈالی۔

اس کتاب میں آٹھ باب ہیں۔ اس لئے اس کتاب کا نام اشٹ ادھیائے (آٹھ باب) پڑا۔ لفظوں کی شکل میں ذرا سا ہیر پھیر ہونے یا کسی اور لفظ کے میل سے ان کے معنی ومطالب بدل جاتے ہیں یا اس میں کمی وبیشی آجاتی ہے۔ مفہوم کو محدود کرنے، وسیع کرنے یا بدلنے کی یہ صلاحیت لفظوں کے اندر ہی ہوتی ہے۔ اس کو ورتّی کہتے ہیں۔ پانینی نے تدّھت اور کری دنت (گرامر کے قاعدے) کا اصول بنایا۔ یہ اصول لسانیات میں ایک زبردست انقلاب مانا جاتا ہے۔ اسی اصول نے لسانیات کے جدید علم کو جنم دیا ہے۔ اسی کو بنیاد بنا کر یورپ کے عالموں نے ایک نئے علم کی بنیاد ڈالی۔ ورتّی کی اس اہمیت کی وجہ سے پانینی کے شاستر کو ورتی سوتر اور خود پانینی کو ورتکیہ آچاریہ بھی کہا جاتا ہے۔

جب شاستر پورا تیار ہو گیا تو پانینی ہمالیہ سے اترے اور پاٹلی پتر پہونچے۔ ان دنوں یہاں نند راجہ کا راج تھا۔ ان کے دربار میں ہر فن کے عالم، ماہر اور بڑے قابل لوگ تھے۔ ہر سال ملک کے چنے ہوئے علماء اور فضلاء بھی بلائے جاتے تھے۔ اس اجتماع کو سبھا کہتے تھے۔ کسی بھی موضوع کے بارے میں کوئی نئی بات دریافت کرنے والا شخص اپنی تحقیق کو اس سبھا کے سامنے پیش کرتا تھا۔ اپنی تحقیق کے متعلق تشفی بخش جواب دینے والے اور اپنی بات کو صحیح ثابت کرنے والے کو شاستر کار (عالم) مان لیا جاتا تھا۔ شاستر کار کے امتحان میں اس طرح کامیاب ہونے کو "سنّنین" کہتے تھے۔ یہ

بہت بڑی عزت تھی۔ سنّین کے بعد شاستر کار کو انعام ملتا تھا اور اس پر عائد سارے ٹیکس معاف کر دیئے جاتے تھے۔

پانٹی کے گرو آچاریہ ورش اور سورش کے بھائی اُپ ورش بھی سنّین کر چکے تھے۔ ان دونوں نے الفاظ کے سلسلے میں ہی تحقیقات کی تھی۔ پانٹی کے سگے بھائی پنگل، دیاڈی اور ورروچی بھی یہ عزت پا چکے تھے۔

لیکن سبھا نے پانٹی کے سنّین کو دوسروں کے سنّین سے ممتاز قرار دیا۔ پانٹی کے علم وفضل کا اعتراف سبھا نے اس طرح کیا کہ اس علم کو اچھی طرح جاننے والوں کے لئے بھی اس نے ایک ایک ہزار سونے کی مُہریں مقرر کر دیں۔ یہ انعام پانے والوں کو بعد میں "ہاری" کہا جانے لگا۔ انھیں ہزار مُہروں کے علاوہ ایک ایک ہاتھی بھی دیا جاتا تھا۔

سچ پوچھئے تو جہاں تک لسانیات کا تعلق ہے آج تک دنیا میں پانٹی کی برابری کرنے والا کوئی دوسرا نہیں ہوا ہے۔ دنیا کی کوئی بھی گرامر (قواعد) اشٹ ادھیائے کے تسلسل اور عظیم تخیّل کی ہمسری نہیں کر سکتی۔ جتنی کتابیں اشٹ ادھیائے کی بنیاد پر اس سے متعلق لکھی گئی ہیں وہ دنیا کی کسی اور دوسری کتاب کے متعلق نہیں لکھی گئی ہیں۔

پانٹی کی کتاب نے سنسکرت زبان وادب کی بے پناہ خدمت کی ہے۔ ویدک بھاشا کا زمانہ بیت چکا تھا۔ نئے موضوعات، نیا ادب اور نئے الفاظ جنم لے رہے تھے۔ گوداوری سے اتر کے ہندوستان میں سنسکرت زبان پھیل گئی تھی۔ اس پھیلتی ہوئی زبان کو ایک اصول اور قاعدے کے تحت لانا بڑا مشکل کام تھا۔ ایسے وقت میں پانٹی کی اشٹ ادھیائے نے بڑا معرکۃ الآرا کام انجام دیا اور اس کتاب کی دھوم مچ گئی اور پانٹی "بھگوان پانٹی" کہلانے لگے۔

پانٹی کا زمانہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے ۱۰۴م۔ ۸۰۰ برس قبل مانا جاتا ہے۔ پانٹی کی موت کیسی ہوئی اس کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ اس کے متعلق پنچ تنتر کی کہانی ہے کہ انھیں کسی شیر نے مار ڈالا تھا۔

پورو

یونان کا رہنے والا سکندر بہت بڑا فاتح تھا۔ وہ یونان سے اپنی فوجیں لے کر روانہ ہوا اور بہت سے ملکوں کو فتح کرتا ہوا ہندوستان پہونچ گیا تھا۔ لیکن جب ہم سکندر کا نام لیتے ہیں تو اس کے ساتھ ہی ہمیں ایک اور ہندوستانی بہادر کی یاد آتی ہے جس کا نام تھا راجہ پورس۔

راجہ پورس کو پورو بھی کہتے ہیں۔ اس بہادر نے یہ جانتے ہوئے کہ وہ فاتح اعظم سکندر کا مقابلہ نہیں کر سکتا اپنی جان کی کوئی پرواہ نہ کی اور مادر وطن کی حفاظت کے لئے نہایت بے جگری سے لڑا۔ لیکن آپس میں پھوٹ ہونے کی وجہ سے اس کی ہار ہوئی۔ پھر بھی اسی زمانے میں اس نے جو بے مثال بہادری دکھائی ہے اس کی وجہ سے تاریخ میں اس کا نام ہمیشہ امر رہے گا۔

چھٹی صدی قبل مسیح سے لے کر چندر گپت موریہ تک پچھم اتر کے سرحدی علاقے پنجاب، سندھ، اور اس کے آگے کا سارا علاقہ چھوٹے چھوٹے اور کمزور راجاؤں میں بٹا ہوا تھا۔ ہر راجہ آزاد اور خود مختار بننے کی فکر میں لگا رہتا تھا۔ ایسی صورت میں چھوٹے چھوٹے راجاؤں کی ایک دوسرے سے ان بن رہتی تھی۔ ہر جگہ مکر و فریب، خود غرضی اور دشمنی کا بول بالا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ جب سکندر اعظم ملک پر ملک فتح کرتا ہوا ہندوستان کی سرحد پر پہونچا تو غداروں کی بن آئی۔ اور انھوں نے ہندوستان پر سکندر کے حملے کا سواگت کیا۔ اس فہرست میں تکشلا کے راجہ آمبھی کا نام سب سے اوپر ہے۔ پورو اور ابھی سار کے راجہ کی دوستی تکشلا کے راجہ کو ذرا بھی پسند نہ تھی۔ انھیں نیچا دکھانے کے لئے راجہ آمبھی نے سکندر کی پوری مدد کی۔ کہتے ہیں کہ سکندر نے تکشلا کے راجہ کو اٹھتیس لاکھ روپئے دے کر اسی سے دوستی کر لی۔ آمبھی نے سکندر کو

ہندوستان پر حملہ کرنے اور موقع پر مدد دینے کا وعدہ کیا۔ اس سمجھوتے میں اس کی صرف ایک غرض شامل تھی۔ پورو کو نیچا دکھانا۔

سکندر نے بھارت پر دھاوا بول دیا۔ زیادہ تر راجوں کی خواہش تھی کہ سکندر کو ملک میں گھسنے نہ دیا جائے۔ وہ اس سے لڑے بھی مگر کیسے؟ الگ الگ اکٹھے نہیں۔ فاتح عالم سکندر کی زبردست فوجوں کے سامنے ان چھوٹے موٹے راجوں کی کیا حیثیت تھی۔ ایک ایک کر کے ان کی ہار ہوتی گئی۔ صرف یہی نہیں ہوا کہ تکشلا کے آمبھی، لپش کلاوتی کے سنجئے، کابل کے کوفابیس، اشوجت اور شسر گپت نے سکندر کو خاص طور سے مدعو ہی نہیں کیا بلکہ آس پاس کے راجاؤں کی ہار پر خوشیاں بھی منائیں۔

پورو ایک بہادر راجہ تھا۔ وہ یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی بدیشی حملہ آور اس کے ملک میں قدم رکھے۔ وہ جانتا تھا کہ سب پڑوسی راجہ اس کے مخالف ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے دوست ابھی سار کے راجہ نے بھی دھوکا دیا تھا۔ کہتے ہیں کہ جب سکندر تکشلا میں تھا تو ابھی سار کے راجہ نے خفیہ طور پر اس کے پاس تحفے بھیجے۔ لیکن پورو اکیلا ہوتے ہوئے بھی ڈٹا رہا اور اس نے سکندر سے لوہا لینے کے لئے کمر کس لی۔

سکندر آندھی کی طرح آگے بڑھتا آ رہا تھا۔ کپشلا اور تکشلا کے درمیان آزادی کو عزیز رکھنے والی قوموں نے سکندر کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ لیکن ان کی ہار ہوئی۔ جب سکندر دریائے سندھ کے کنارے پہونچا تو راجہ آمبھی نے اس کی مدد کے لئے سات سو گھوڑ سوار بھیجے اور کہلا بھیجا کہ میں اپنی راجدھانی تکشلا آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ سکندر دریائے سندھ کو پار کر کے تکشلا جا پہونچا۔

تکشلا میں آمبھی نے سکندر اور اس کی فوجوں کا شاندار استقبال کیا۔ آمبھی تو پورس کو نیچا دکھانا چاہتا ہی تھا۔ سکندر نے تکشلا میں بیٹھ کر پورو پر حملہ کرنے کی ساری تیاری کر لی اور اس کام میں آمبھی نے اس کی پوری مدد کی۔

سکندر نے پورو کو کہلا بھیجا کہ ٹکشلا آکر میری اطاعت قبول کرو۔ لیکن بہادر پورو نے جواب دیا کہ میں سکندر سے میدان جنگ میں ہی ملاقات کروں گا۔

یہ جواب سن کر سکندر کے غصے کی کوئی حد نہ رہی۔ آمبھی کی اکساہٹ نے آگ پر تیل کا کام کیا۔ پھر کیا تھا سکندر اپنی فوجیں اور آمبھی کی ۵۰ ہزار فوجیں لے کر چل پڑا اور جہلم ندی کے پچھمی کنارے پر پڑاؤ ڈال دیا۔ پوربی کنارے پر پورس کی فوجیں آ ڈٹیں۔ ندی طغیانی میں تھی اور بارش کی وجہ سے جہلم ندی کو پار کرنا آسان کام نہ تھا۔ پورو کی فوج میں ۳۰ ہزار پیدل، ۴ ہزار گھوڑ سوار، ۳۰۰ رتھ اور ۲۰۰ ہاتھی تھے۔ یہ سب دیکھ کر سکندر کی فوجوں کے چھکے چھوٹنے لگے۔

بات بھی ایسی ہی تھی۔ ندی کو پار کرنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ دوسرے یہ ڈر بھی تھا کہ ندی پار کرتے وقت پورو کی فوجیں پیس ڈالیں گی۔ اس لئے کئی ہفتے تک دونوں فوجیں دونوں کنارے پر ڈٹی رہیں۔ لیکن ایک رات جب موسلا دھار بارش ہو رہی تھی اور پورو کی فوجیں بے خبر تھیں۔ سکندر کے کچھ چنے ہوئے سپاہیوں نے جہلم کے کنارے کنارے لگ بھگ پندرہ میل اوپر جا کر بڑی خاموشی سے جہلم ندی کو پار کر لیا۔ سکندر کی فوجوں اور پورو کی فوجوں کے بیچ میں ایک چھوٹی سی پہاڑی پڑتی تھی جس کی وجہ سے پورو کو دشمن کی فوجوں کے ندی پار کرنے کی آہٹ بھی نہ ملی۔ لیکن جب کچھ دیر بعد پورو کو اس کا حال معلوم ہوا تو فوراً اس نے اپنے بیٹے کو ۲ ہزار گھوڑ سوار اور ۱۲۰ رتھ دیکر سکندر کا راستہ روکنے کے لئے بھیجا۔ لیکن اس وقت تک اس کی ساری فوجیں ندی پار کر چکی تھیں۔

مقابلے میں پورو کا بیٹا کام آیا۔ اس کے علاوہ پورو کے چار سو فوجی بھی کھیت رہے۔ جب پورو کو خبر ہوئی تو وہ تقریباً اپنی تمام فوج کے ساتھ سکندر کے مقابلے پر آیا۔ پورو کو اپنے ہاتھیوں پر بڑا بھروسہ تھا۔ اسی لئے اس نے سب سے آگے ہاتھیوں کو کھڑا کیا۔ اور اس کے پیچھے پیدل فوج کی قطاریں کھڑی کیں۔ ان فوجیوں کے پاس بڑی بھاری بھاری کمانیں تھیں جن سے

لمبے لمبے تیر چھوڑے جا سکتے تھے۔ پیدل فوج کے دونوں طرف گھوڑ سوار اور ان کے آگے رتھ کھڑے کئے گئے تھے۔

ادھر سامنے سے سکندر بھی بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ پورو کی فوج کی ترتیب کو دیکھ کر وہ رک گیا۔ اس کی پیدل فوج پیچھے رہ گئی تھی۔ کچھ دیر وہاں آرام کر کے سکندر خود حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگا۔ سکندر چاہتا تھا کہ پورو کے ہاتھیوں کو بیکار کر دیا جائے۔

اس نے پہلے پورو کی بائیں طرف کی فوجوں پر خود حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا اور گھوڑ سواروں کی مدد سے پورو کی فوج پر گھوم کر پیچھے سے حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

جب سکندر نے اپنے منصوبے پر عمل کیا تو پورو کی گھوڑ سوار فوج دو طرف سے نرغے میں آگئی۔ اس سے پورو کی ساری فوج میں بھگدڑ مچ گئی اور سکندر کا حملہ تند ہوتا گیا۔ اپنے بچاؤ کے لئے بھارتی فوج نے ہاتھیوں کے پاس آکر پناہ لی۔ اب ہاتھیوں نے سکندر کی فوجوں کو روندنا شروع کیا۔ لیکن سکندر کے ایک اور حملے نے پورو کے فوجیوں کے حوصلے پست کر دئے اور اس کی فوج پیچھے ہٹنے لگی۔ پیچھے ندی تھی۔ اس سے ہاتھیوں پر ہر طرح کا دباؤ پڑنے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بے قابو ہو گئے اور جو بھی ان کے سامنے آیا اُسے روند ڈالا۔ پورو کے ہاتھی اسی کی فوج کو کچلنے لگے۔ لیکن پورو بہادری سے ڈٹا رہا۔ اس وقت اُسے سامنے سے آمبھی آتا دکھائی دیا۔ اسے دیکھ کر پورو کا خون کھول اٹھا۔ اس نے آمبھی پر حملہ کر دیا مگر بزدل آمبھی بچ گیا اور بھاگ نکلا۔

پورو کی ساری فوج تتر بتر ہو گئی مگر اس نے ہمت نہ ہاری۔ سکندر بھارتی سپوت کی بہادری اور نڈرتا دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اس نے پورو کو کہلا بھیجا کہ ہتھیار ڈال دو۔ مگر یہ پورو آزادی پر مرمٹنے والا تھا۔ اس نے ایک نہ سنی اور لڑتا چلا گیا۔ آخر سکندر نے پورو کے ایک پرانے دوست کو بھیجا۔ پورو پیاس اور تھکن سے بے حال ہو چکا تھا۔ ہاتھی سے اتر کر اس نے پانی کا ایک گھونٹ پیا اور سکندر کے پاس چلا۔ سکندر پورو کی شخصیت سے بڑا متاثر ہوا۔ پورو سینہ تانے گیا تھا اور اسی طرح کھڑا رہا۔ سکندر نے بڑی فراخ دلی سے پوچھا۔ "بولو۔ تمہارے ساتھ کیسا سلوک کیا

جائے ۔" پورو نے سر اونچا کر کے بڑے فخر کے ساتھ کہا ۔ "جیسا ایک راجہ دوسرے راجہ کے ساتھ کرتے ہیں"

یہ جواب سن کر سکندر بہت خوش ہوا ۔ سکندر خود بہادر تھا ۔ وہ بہادر کی قدر پہچاننے میں پیچھے نہیں رہا ۔ اس نے پورو کو اس کی سلطنت واپس کر دی اور اسے اپنا دوست بنالیا ۔

یہ ہے کہانی اس بہادر سورما کی جس نے اپنی جان پر کھیل کر بدیشی حملہ آور کو روکنے کی کوشش کی ۔ پورو کی فوجوں سے لڑ کر سکندر کے سپاہیوں کو اندازہ ہو گیا کہ ہندوستانیوں سے لڑنا کوئی ہنسی کھیل نہیں ہے ۔ سکندر کی فوج تھوڑا اور آگے بڑھی اور ندی تک آئی ۔ مگر پھر اس کی فوجوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا اور سکندر کو ہندوستان فتح کرنے کا ارمان دل میں لئے ہوئے واپس لوٹنا پڑا ۔

رمیش نرائن تیواری

چانکیہ

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے لگ بھگ چار سو برس پہلے ہندوستان میں چانکیہ نامی ایک مہاپرش نے جنم لیا تھا۔ انھوں نے اپنی عقل و فراست کی بدولت یونانی حاکموں کو ہندوستان سے نکال باہر کیا۔ ساتھ ہی ساتھ انھوں نے چھوٹے چھوٹے راجوں کو ملا کر ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ حکمت عملی میں چانکیہ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ چانکیہ کے ہی سوجھ بوجھ کا نتیجہ تھا کہ چندرگپت موریہ مگدھ کے راجہ نند کا خاتمہ کر کے مگدھ کی راج گدی پر بیٹھا۔ یہی نہیں بلکہ چانکیہ کے بدولت ہی اُس نے اپنے سارے دشمنوں کا خاتمہ کر کے عظیم الشان موریہ سلطنت کی بنیاد ڈالی۔

چانکیہ کے شہرت کی ایک وجہ اور بھی ہے اور وہ ہے ان کی مشہور کتاب "ارتھ شاستر"۔ اس سے اس وقت کے ہندوستان کی معاشی اور سماجی حالت کا پتہ چلتا ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے حکومت چلانے اور ملک کا انتظام کرنے کے اصول بھی بتلائے ہیں۔ ان اصولوں کو آج بھی بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ارتھ شاستر کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا مصنف کتنا بڑا عالم، گہری سوجھ بوجھ والا اور دور اندیش تھا۔ راج کاج کے معاملوں میں چانکیہ کی گہری اور دور بیں نظر کا ثبوت ارتھ شاستر میں ملتا ہے۔ یہ کتاب انھیں دنیا کے حکمت عملی کے ماہروں کے صفوں میں بڑا اونچا مقام دلانے کے لئے کافی ہے۔

چانکیہ کی ابتدائی زندگی کے بارے میں کئی روایتیں مشہور ہیں۔ ایک روایت کے مطابق ان کی زندگی کا ایک واقعہ یہ بتایا جاتا ہے کہ ایک بار ان کی ماں اپنے بیٹے کا منہ دیکھتے دیکھتے رو پڑیں، چانکیہ کو اپنی ماں کو روتے دیکھ کر تعجب ہوا۔ اور انھوں نے پوچھا "ماں۔ تم مجھے دیکھتے دیکھتے ایک دم

رد کیوں پڑیں؟" ان کی ماں نے جواب دیا "بیٹا۔ تمھاری قسمت میں بڑا بھاری راجہ ہونا لکھا ہے۔ تو راجہ ہونے پر اپنی ماں کو ضرور بھول جائے گا۔ یہی سوچ کر آنسو نکل پڑے۔"

چانکیہ کو اور حیرت ہوئی۔ بولے "تم نے یہ کیسے جان لیا کہ میری قسمت میں راجہ ہونا لکھا ہے؟"

ماں نے کہا۔ "تمھارے سامنے والے دو دانت بتلاتے ہیں کہ تم راجہ ہو گے۔" چانکیہ کو اپنی ماں کے دکھی ہونے کی وجہ سمجھ میں آگئی۔ انھوں نے گھر سے باہر جا کر ایک اینٹ اٹھائی اور آگے کے دونوں دانت توڑ کر پھینک دئے۔ پھر وہ لوٹ کر اندر آئے اور ماں سے بولے۔ "لو ماں۔ میں نے اپنے دانت توڑ ڈالے۔ اب جب کہ ایسے لچھن والے دانت ہی نہ رہے تو میں راجہ کیسے بنوں گا۔ تم مطمئن ہو جاؤ۔ اب میں نہ راجہ بنوں گا اور نہ تمھیں چھوڑ کر جاؤں گا۔ تمھاری ممتا کے سامنے دنیا کی بڑی سے بڑی چیز کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔"

اوپر کی کہانی سے معلوم ہوتا ہے کہ چانکیہ کا دل کتنا نرم تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کا ایک دوسرا روپ بھی تھا۔ نہ تو وہ اپنی بے عزّتی برداشت کر سکتے تھے اور نہ ملک کے اوپر کوئی آفت آجانے پر چپ چاپ بیٹھ سکتے تھے۔ مضبوط ارادہ اور بے پناہ فراست چانکیہ کی سب سے بڑی خصوصیت تھی۔

ان کے مضبوط ارادے کی ایک کہانی اور سنائی جاتی ہے۔ ایک دن چانکیہ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں کُش (ایک کانٹوں والا پودا) کے بہت سے پودے اگے ہوئے تھے۔ چلتے چلتے چانکیہ کے پیر میں ایک کُش گھس گیا۔ انھوں نے وہیں قسم کھائی۔ جب تک کُش کے سارے پودے جڑ سے نہیں اکھاڑ ڈالوں گا چین نہیں لوں گا۔ بس وہ وہیں بیٹھ گئے اور لگے ایک ایک پودا اکھاڑنے۔ ساتھ ساتھ مٹی بھی ڈالتے جاتے تھے تاکہ پودا پھر سے نہ اُگے۔

ممکن ہے یہ کہانی صحیح نہ ہو۔ لیکن یہ بالکل صحیح ہے کہ ان کا غصّہ بڑا بھیانک ہوتا تھا۔ اور یہ بھی درست ہے کہ جب وہ کسی کام کو کرنے کا فیصلہ کر لیتے تھے تو اس کام کو کئے بغیر چین نہ لیتے تھے۔

چانکیہ تکشلا کے ایک برہمن تھے۔ تکشلا اس زمانے میں تمام قسم کے علوم کا بڑا بھاری مرکز تھا۔ اسی طرح مگدھ کی راجدھانی پاٹلی پتر بھی علوم و فنون کا مشہور مرکز تھی۔ تکشلا میں جب وہ اپنی تعلیم ختم کر چکے تو مزید تعلیم حاصل کرنے مگدھ آئے۔

اس وقت مگدھ میں دھن نند یا نند نامی راجہ کی حکومت تھی۔ دھن نند کا تعلق شودر ذات سے تھا۔ وہ بڑا لالچی تھا۔ اس نے رعایا پر بہت زیادہ ٹیکس لگا کر اپنا خزانہ بھر لیا تھا۔ لیکن جس وقت چانکیہ پاٹلی پتر پہونچے تھے اس وقت دھن نند کے سبھاؤ میں بڑا فرق آچکا تھا۔ اب اس نے دان اور خیرات میں پانی کی طرح روپیہ بہانا شروع کر دیا تھا۔ دان بانٹنے کے لئے اس نے ایک دان شالا (خیرات گھر) کھول دیا تھا۔ اس کی دیکھ بھال کے لئے ایک کمیٹی بنا دی تھی جس کے صدر برہمن ہی ہوتے تھے۔ اس نے یہ قانون بنا دیا تھا کہ صدر ایک کروڑ تنک کا دان کسی کو دے سکتا ہے۔

چانکیہ ودوان تو تھے ہی۔ جلد ہی ان کے علم و فضل اور قابلیت کا سکہ پاٹلی پتر میں بھی بیٹھ گیا۔ اور انھیں دان شالا کمیٹی کا صدر نامزد کیا گیا۔

چانکیہ بڑے قابل اور بڑی عجیب و غریب شخصیت کے مالک تھے لیکن وہ بہت ہی بدصورت اور بالکل کالے تھے۔ قسمت کی بات کہ ایک دن دھن نند نے ان کو اپنے دربار میں بلایا۔ اس نے اس سے پہلے انھیں دیکھا نہیں تھا۔ چانکیہ کو دیکھ کر راجہ کو سخت غصہ آیا اور اس نے حکم دیا کہ انھیں دربار سے باہر نکال دیا جائے۔

چانکیہ اپنی بے عزتی کس طرح برداشت کر سکتے تھے؟ انھیں بھی بہت غصہ آیا۔ غصے سے تھر تھر کانپتے ہوئے انھوں نے دربار میں اپنی چوٹی کھول دی اور راجہ کی طرف منہ کر کے بولے "نیچ۔ تم نے آج بھرے دربار میں میری بے عزتی کی ہے۔ میں تجھ سے اس کا بدلہ لوں گا۔ میں تجھے اور تیرے خاندان کو ملیامیٹ کر کے مگدھ کے تخت پر کسی لائق اور اچھے آدمی کو بٹھاؤں گا۔ میں جب تک ایسا نہ کر لوں گا اپنی چوٹی نہیں باندھوں گا۔"

یہ کہتے ہوئے وہ دربار چھوڑ کر باہر چلے آئے۔ وہ پاٹلی پتر چھوڑ کر جا رہے تھے کہ اچانک

ان کی ملاقات چندر گپت سے ہوگئی۔ یہی بعد میں چندر گپت موریہ کے نام سے مگدھ کے تخت پر بیٹھا۔ چندر گپت کو دیکھ کر چانکیہ کو محسوس ہو کہ اس میں راجہ بننے کی تمام صلاحتیں موجود ہیں۔ وہ اُسے اپنے ساتھ لے کر ٹکشلا چلے گئے۔ یہاں انھوں نے چندر گپت کو سات آٹھ برسوں تک شاستر ودیا اور شاستروں کی تعلیم دی۔ اپنی نگرانی میں اُسے ہر قسم کی تعلیم دے کر ہر طرح سے لائق بنا دیا۔ بعد میں چانکیہ نے چندر گپت ہی کے ذریعے نند خاندان کو تباہ کرایا۔

جس زمانے میں چندر گپت ٹکشلا میں رہ کر شاستروں کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ لگ بھگ اسی وقت مقدونیہ کے سکندر نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔ یہ حضرت عیسیٰ ؑ کی پیدائش سے ۳۲۷ برس پہلے کی بات ہے۔ سکندر سارے یونان کو فتح کر چکا تھا اور اس کی فوجیں ایران کی عظیم الشان سلطنت کو روندتی ہوئی ہندوستان کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ سکندر ساری دنیا کو فتح کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ سکندر کے حملے کے وقت ہندوستان کے پچھمی حصے میں سندھو ندی کی گھاٹی اور پنجاب میں کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم تھیں۔ یونان کی مضبوط اور منظم فوجوں کے آگے یہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں ٹک نہ سکیں۔ کچھ راجاؤں نے بڑی بہادری سے سکندر کا مقابلہ کیا۔ ان میں راجہ پورو کا نام سب سے اوپر ہے۔ اس سورما نے سکندر کے طوفانی حملے کو جس بہادری سے روکا اس کا مفصل حال پہلے ہی بتایا جا چکا ہے۔ یہ واقعہ صرف ہندوستان کی تاریخ میں ہی نہیں بلکہ دنیا کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جانے والا ہے۔ دوسرے راجاؤں کی طرح پورو بھی جنگ میں ہار گیا۔ لیکن سکندر اور اس کی فوجوں کو معلوم ہو گیا کہ ہندوستانیوں سے لڑنا گویا چٹانوں سے سر ٹکرانا ہے۔ ان کی ہمت بیاس ندی کو پار کر کے آگے بڑھنے کی نہیں ہوئی۔ اور وہ ہندوستان کے فتح کئے ہوئے علاقوں میں اپنے صوبہ دار مقرر کر کے واپس لوٹ گئے۔

چانکیہ اور چندر گپت دونوں نے دیکھا کہ کس طرح آپس کی پھوٹ کی وجہ سے ہندوستان کے پچھمی حصّے پر یونانیوں کا قبضہ ہو گیا۔ سکندر کے واپس چلے جانے کے بعد چانکیہ نے ہندوستان کو یونانیوں سے نجات دلانے کا بیڑہ اٹھایا۔ چانکیہ کی نظر میں غیر ملکی حکومت سب سے بڑی برائی تھی۔ اس نے چندر گپت کو آگے بڑھایا اور پنجاب میں ایک چھوٹی موٹی فوج اکٹھی کر کے چندر گپت کو اس

کا سپہ سالار بنایا۔ چندر گپت کا ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے اس نے پنجاب کے کچھ راجاؤں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔

چانکیہ کی عقل اور چندر گپت کی جنگی صلاحیت دونوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ سکندر کے حملے کے تین برس کے اندر ہی ہندوستان کی سرزمین یونانیوں سے پاک ہو گئی، اور غیر ملکی حکومت کا کوئی نشان باقی نہ رہ گیا۔ چانکیہ نے اپنی توجہ مگدھ کی طرف کی۔ انھیں اپنی قسم یاد تھی۔ وہ نند خاندان کو مٹا کر چندر گپت کو مگدھ کی گدی پر بٹھانے کی فکر میں لگ گئے۔

کس طرح چانکیہ نے اپنی عقل اور اپنی حکمت عملی سے نند خاندان کے خلاف سازش کی، اور اس میں کیسے کامیاب ہوئے یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ وشاکھا دت کی لکھی ہوئی سنسکرت کتاب "مدرراکھشش" میں اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ حکمت عملی کے سارے داؤ لگا کر چانکیہ نے آخر کار نند خاندان کو تباہ کر ڈالا اور اس طرح اپنی قسم پوری کی۔ انھوں نے نہ صرف چندر گپت کو مگدھ کے تخت پر بٹھایا بلکہ مگدھ سلطنت کو پھیلانے میں بھی برابر مدد کرتے رہے۔

چانکیہ تیاگی تھے۔ انھوں نے محلوں میں رہنا کبھی پسند نہ کیا۔ چندر گپت جیسے عظیم الشان بادشاہ کے وزیر اعظم ہو کر بھی وہ کٹیا ہی میں رہتے تھے۔ سادہ کھانا کھاتے اور سادے کپڑے پہنتے۔ سارے ملک میں ان کا حکم چلتا تھا۔ خود چندر گپت بھی ان کے سامنے سر جھکا کر کھڑا ہوتا تھا۔

چانکیہ کے زمانے میں ہندوستان میں دو طرح کی حکومتیں قائم تھیں۔ ملوکیت اور جمہوریت۔ لیکن اس وقت جو جمہوری حکومتیں قائم تھیں ان کا کام کاج آج کل کی جمہوریتوں کی طرح عوام کے چنے ہوئے نمائندوں کے ذریعے نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ کسی ایک خاندان کے نمائندوں کے ہاتھوں میں حکومت کی باگ ڈور ہوتی تھی۔ چانکیہ کے خیال میں ان چھوٹے چھوٹے راجوں کے مقابلے میں ایک بڑی سلطنت کہیں بہتر تھی۔ اسی لئے انھوں نے اپنے وقت کے چھوٹے چھوٹے راجوں کو ختم کر کے ایک راجہ کی ماتحتی میں ایک بڑی سلطنت قائم کرنے کی کوشش کی۔

ان کے خیال میں رعایا کی فلاح و بہبود راجہ کا فرض ہونا چاہئے۔ وہی راجہ اچھا ہے جو پرجا

کے سکھ کے آگے اپنے سکھ کی پروا نہ کرے۔ چانکیہ نے "ارتھ شاستر" میں اس بات پر بہت زور دیا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ رعایا کے سکھ میں راجہ کا سکھ ہے، اس کی بھلائی راجہ کی بھلائی ہے۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ راجہ کے حکم کے آگے وید اور دھرم شاستر وغیرہ میں دی گئی ہدایتیں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ راجہ کے فرائض، وزیروں کی مجلس، ملک کا انتظام و انصرام، ملک کی معاشی ترقی، خارجہ پالیسی جیسے موضوعات پر چانکیہ نے ارتھ شاستر میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ چانکیہ کی رائے میں طلاق اور بیوہ کی شادی مذہب کے اصولوں کے مطابق ہے۔ انھوں نے اس کی حمایت کی ہے۔

نئی دلی میں اسی مہاپُرش کی یاد میں ایک نئی بستی چانکیہ پوری کے نام سے بسائی گئی ہے۔ چانکیہ پوری میں غیر ملکوں کے سفارت خانے قائم ہیں۔ سیاست کے اس ماہر کو اس سے بہتر شردھانجلی اور کیا پیش کی جاسکتی ہے۔

مہیش نرائن تیواری

چندر گپت موریہ

مہاویر اور بدھ کے زمانے میں ہندوستان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ یہ ریاستیں آپس میں لڑتی جھگڑتی رہتی تھیں۔ بہت دنوں تک کوئی راجہ اتنا طاقتور نہیں ہوا جو ان چھوٹے چھوٹے راجوں کو ملا کر ایک بڑی سلطنت قائم کرتا۔ جس راجہ نے یہ کام انجام دیا اس کا نام چندر گپت موریہ تھا۔

ہندوستان میں اتنی بڑی سلطنت پہلی بار قائم کرنے کی وجہ سے چندر گپت موریہ سب سے پہلے شہنشاہ مانے جاتے ہیں۔ انھیں کے زمانے سے ہندوستان کے حالات بھی ذرا تفصیل سے ملنے شروع ہو جاتے ہیں۔

چندر گپت کے دورِ حکومت میں اُتر اور ایک حد تک دکھن بھارت پہلی بار ایک مضبوط اور منظم سلطنت کا حصہ بنے۔ چندر گپت موریہ کی کہانی ہندوستان کی سیاسی، معاشی اور تہذیبی ایکتا کی کہانی ہے۔

چندر گپت موریہ خاندان کے کشتری تھے۔ موریہ کشتری اس شاکیہ نسل کے کشتریوں کی ایک شاخ تھے جس میں مہاتما بدھ نے جنم لیا تھا۔ چندر گپت کے پتا موریہ خاندان کے کشتریوں کے سردار تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جب چندر گپت ماں کے پیٹ ہی میں تھے تو ان کے پتا ایک لڑائی میں مارے گئے۔ انھیں سہارا دینے والا کوئی نہیں تھا۔

کوئی اور چارہ نہ دیکھ کر چندر گپت کے ماموں اپنی بہن کو مگدھ حکومت کی راجدھانی پاٹلی پتر لے آئے۔ یہیں چندر گپت کا جنم ہوا۔ ماں کے لئے تو اپنا پیٹ پالنا مشکل ہو رہا ہے۔ بچے کی پیدائش نے اور مشکلات پیدا کر دیں۔ بہن کو مصیبت میں دیکھ کر بھائی نے کہا کہ پریشانی سے بچنے کا صرف یہی

طریقہ ہے کہ نظر بچا کر بچّے کو کسی کھاتے پیتے گھرانے میں رکھ دیا جائے ۔ لاوارث سمجھ کر کوئی بھی بھلا آدمی اس کی پرورش کردے گا ۔ اس طرح پالنے پوسنے کا بار بھی نہ رہے گا اور بچہ بھی بھوکوں مرنے سے بچ جائے گا ۔

یہی طے کر کے چندرگپت کی ماں اسے گایوں کے ایک باڑے میں چھوڑ آئیں ۔ خوش قسمتی سے ان گایوں کا مالک ایک رحمدل امیر تھا ۔ وہ بچے کو اپنے گھر لے آیا اور اپنے لڑکے کی طرح پرورش کرنے لگا ۔ جب چندرگپت بڑے ہوئے تو اس امیر نے انھیں ایک شکاری کے ہاتھ بیچ ڈالا ۔ شکاری نے چندرگپت کو اپنے مویشی چرانے کا کام سونپ دیا ۔

کہتے ہیں کہ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات ۔ چندرگپت میں بچپن ہی سے بہادری اور سرداری کے گن دکھائی دیتے تھے ۔ وہ دوسرے لڑکوں کے ساتھ گاؤں کے باہر مویشی چرانے جاتے تھے ۔ جب مویشی چرنے لگ جاتے تو سب لڑکے راجہ اور پرجا کا کھیل کھیلتے ۔ ان کھیلوں میں چندرگپت راجہ بن کر ٹھاٹ سے ایک ٹیلے پر بیٹھ جاتے ۔ باقی لڑکے چاروں طرف درباری بن کر بیٹھتے ۔ پھر دو لڑکے آپس کے جھگڑے کا فیصلہ کرانے راجہ کے سامنے آتے ۔ چندرگپت ان کی شکایتیں سننے کے بعد بڑی سنجیدگی سے ان کا انصاف کرتا ۔ گاؤں والے لڑکوں کو یہ کھیل کھیلتے دیکھ کر بڑے خوش ہوتے ۔ انھیں کیا معلوم تھا کہ راجہ کا سوانگ بھرنے والا لڑکا چندرگپت سچ مچ ایک دن بھارت کا حکمران بنے گا ۔

ایک دن چندرگپت دوسرے لڑکوں کے ساتھ اپنے اسی من پسند کھیل میں لگے ہوئے تھے کہ ادھر سے چانکیہ گذرے ۔ بچوں کو کھیلتا دیکھ کر وہ رک گئے ۔ ان کی دوربین نظروں نے ایک منٹ میں چندرگپت کی چھپی ہوئی صلاحیت اور ذہانت کو آنک لیا ۔ جب کھیل ختم ہوا تو انھوں نے چندرگپت کو پاس بلا کر سب کچھ پوچھا ۔ پھر وہ چندرگپت کو ساتھ لے کر ان کے مالک کے پاس گئے جن کے مویشی وہ چراتے تھے اور ایک ہزار کرشین (اس وقت چلنے والے سکے کا نام) دے کر چندرگپت کو خرید لیا اور اپنے ساتھ پاٹلی پتر سے تکشلا لے گئے ۔ یہاں سے چندرگپت کی تقدیر نے پلٹا کھایا ۔ تکشلا میں چانکیہ

نے چندر گپت کو ۷، ۸ سال تک اپنی نگرانی میں رکھا اور شاستر اور فنون جنگ کی تعلیم دی۔

چندر گپت اور چانکیہ کی ملاقات ایک ایسا واقعہ ہے جس نے ان دونوں کی زندگی ہی نہیں بلکہ ہندوستان کی تاریخ ہی بدل دی۔ اس واقعے کی اہمیت کو پوری طرح سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس وقت کے ہندوستان کی سیاسی حالت پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لی جائے۔ قرینہ ہے کہ جس وقت چندر گپت ٹیکسلا میں چانکیہ کے پاس علم حاصل کر رہے تھے اسی وقت مشہور یونانی فاتح سکندر نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔ سکندر کے حملے کے وقت بھی ہندوستان چھوٹے چھوٹے راجوں میں بٹا ہوا تھا۔

چندر گپت اور چانکیہ دونوں سکندر کے حملے کے وقت ٹیکسلا میں موجود تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ غیر ملکی سکندر نے ہندوستانی حکومتوں کی پھوٹ اور کمزوری سے فائدہ اٹھا کر بھی ہندوستان کو غلام بنا لیا ہے۔ دونوں کے دلوں میں یونانیوں کی کامیابی کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھی۔ سکندر جب تک ہندوستان میں رہا یہ دونوں چپ رہے مگر جوں ہی سکندر نے منھ موڑا چندر گپت اور چانکیہ اپنے کو غیر ملکی حکومت سے نجات دلانے اور ہندوستان سے یونانی حکومت کا نام و نشان مٹانے کے لئے جی جان سے لگ گئے۔

چندر گپت بڑا بہادر اور ہمت ور نوجوان تھا۔ چانکیہ کے پاس رہ کر اس نے فنون جنگ کی تعلیم خاص طور سے حاصل کی تھی۔ اس کے علاوہ اس نے سکندر جیسے کامیاب سپہ سالار کے طریقہ جنگ کا بھی بڑے غور سے مطالعہ کیا تھا۔ بھارتیوں اور یونانیوں کے درمیان جو جنگیں ہوتی تھیں ان میں اُسے یونانیوں کے طریقہ جنگ کی برتری اور ہندوستانیوں کے لڑنے کے طریقوں کی کمزوریوں کو بھی دیکھنے کا موقع ملا۔ اُن سے اس طرح جو کچھ سیکھا وقت آنے پر اس کا پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

چانکیہ نے ہندوستان سے یونانیوں کو نکالنے کا ایک منصوبہ تیار کیا اور اس کو پورا کرنے کی ذمہ داری چندر گپت پر ڈالی۔ اس کے لئے ایک بڑی فوج کی بھی ضرورت تھی۔ سکندر کی جیت نے ہندوستانیوں کی ہمت پست کر دی تھی۔ اس لئے اس وقت یونانیوں سے لڑنے کے لئے فوج اکٹھی کرنا بھی بڑا مشکل کام تھا۔ لیکن چندر گپت اور چانکیہ نے ہر طرح کی مشکلوں پر قابو پا لیا۔

انھوں نے سارے پنجاب کا چکر لگایا اور لوگوں کو یونانیوں کے خلاف بغاوت کرنے پر اکسایا۔ دھیرے دھیرے چندر گپت کو اپنی فوج کے لئے لوگ ملنے لگے۔ چندر گپت نے فوج میں بھرتی ہونے والوں کو جنگ کے طریقوں کی تربیت دی اور پھر یونانیوں سے کھلم کھلا جنگ چھیڑ دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سکندر کی واپسی کے تین سال کے اندر ہی اس نے بھارت کو یونانیوں سے خالی کرا دیا اور غیر ملکی حکومت کا نشان تک مٹا دیا۔

پچھمی ہندوستان کی غیر ملکیوں سے نجات دلا کر وہ مگدھ کی جانب چلا۔ مگدھ کا راجہ بہت طاقتور تھا اور اس کے پاس بڑی بھاری فوج تھی۔ چندر گپت کا خیال تھا کہ اس کے پاس جو فوج ہے وہ مگدھ کو جیتنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ لیکن دو باتیں اس کے حق میں تھیں۔ ایک تو یہ کہ چانکیہ جیسا ذہین اور سیاست کا ماہر اس کے ساتھ تھا۔ دوسرے یہ کہ مگدھ کے راجہ دھن نند کو اس کی رعایا پسند نہیں کرتی تھی۔ لوگ اس سے بالکل غیر مطمئن تھے۔

چندر گپت کو مگدھ فتح کرنے میں اپنی فوج سے کہیں زیادہ چانکیہ کی سیاست سے مدد ملی۔ مگدھ کی فوج بہت بڑی تھی۔ اس میں دو لاکھ پیدل، بیس ہزار گھوڑ سوار، چار گھوڑوں والے دو ہزار رتھ اور تین ہزار ہاتھی تھے۔ اتنی بڑی فوج سے مقابلہ کر کے شکست دینا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔ لیکن راجہ کی اصلی طاقت اس کی جنتا کی خوشی ہوتی ہے۔ نند کی رعایا اس سے بہت ناراض تھی۔ ادھر چانکیہ نے اپنی حکمت عملی سے نند کے بہت سے عہدیداروں کو اپنی طرف ملا لیا تھا۔ چندر گپت نے مگدھ کی فوجوں کو ہرا دیا اور مگدھ پر قبضہ کر لیا۔ پنجاب وہ پہلے ہی جیت چکا تھا۔ اب مگدھ کی سلطنت بھی اس کے ہاتھوں میں آ گئی۔

مگدھ، پنجاب اور سرحدی علاقوں کو فتح کر کے چندر گپت نے دوسرے علاقوں کی طرف رخ کیا۔ چندر گپت نے ان علاقوں کو محض ملک گیری کی ہوس کی خاطر فتح نہیں کیا تھا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ جب تک دیش میں چھوٹے چھوٹے راج موجود ہوں گے ان میں پھوٹ پیدا ہو سکتی ہے اور غیر ملکی اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔ یہ بات ابھی ابھی پنجاب اور سرحدی علاقوں میں ہو چکی تھی۔ اگر سب مل کر

ان کا مقابلہ کرتے تو شاید انھیں سکندر کے ہاتھوں شکست نہ ہوتی۔ لیکن آپس کی پھوٹ کی وجہ سے ان کی ہار ہو گئی۔

چندر گپت نے ۷ لاکھ سپاہیوں کی ایک بہت بڑی فوج اکٹھی کی اور چل کھڑا ہوا۔ جس راجہ نے اس کا مقابلہ کیا بری طرح ہارا۔

لیکن ایک اور مصیبت ابھی موجود تھی۔ سکندر کے مرنے کے بعد اس کے سپہ سالاروں میں اس کے فتح کئے ہوئے ملکوں پر قبضہ کرنے کے لئے جنگ چھڑ گئی۔ اس لڑائی میں سلیوکس نامی سپہ سالار کو جیت ہوئی۔ ہندوستان کا جو علاقہ سکندر نے فتح کیا تھا سلیوکس نے اس پر قبضہ جمانے کی ٹھانی۔ اور یہ علاقے چندر گپت کے قبضے میں تھے۔ سلیوکس بڑی بھاری فوج لے کر چڑھ آیا۔ اس بار یونانیوں کو آمبھی جیسے غداروں سے نہیں بلکہ چندر گپت کی رہنمائی میں مضبوط اور منظم ہندوستان سے لوہا لینا پڑا۔ چندر گپت نے سلیوکس کو بری طرح ہرایا۔ سلیوکس نے چندر گپت سے صلح کر لی اور اپنی لڑکی کی شادی چندر گپت سے کر دی اور گجرات، قندھار، کابل کی گھاٹی اور بلوچستان کا علاقہ بھی چندر گپت کو سونپ دیا۔ اس نے اپنا ایک سفیر میگھستینز بھی چندر گپت کے دربار میں بھیجا۔ اس کے بدلے میں چندر گپت نے بھی سلیوکس کو پانچ سو ہاتھی نذر کئے۔

اس طرح دھیرے دھیرے چندر گپت کی سلطنت پورب میں بنگال سے لے کر پچھم میں ہندوکش پہاڑ تک اور اتر میں ہمالیہ سے لیکر نربدا ندی تک پھیل گئی۔ لیکن ہم چندر گپت پر صرف اسی لئے فخر نہیں کرتے کہ اس نے بڑی بڑی لڑائیاں جیتیں اور غیر ملکیوں کو اپنے ملک سے نکال باہر کیا۔ یقیناً یہ بہت بڑا کام تھا جو اس نے کیا۔ لیکن جس حسن و خوبی سے اس نے اپنی حکومت کا انتظام کیا اسی سے آج تک اس کا نام تاریخ میں سنہری حرفوں میں لکھا جاتا ہے۔ چندر گپت کی سلطنت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اتنی بڑی سلطنت کا انتظام کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ خاص کر ان دنوں میں تو یہ بڑا کٹھن کام تھا۔ کیونکہ ملک کے ایک حصے سے دوسرے حصے میں پہونچنے کے ذرائع بڑے مشکل تھے۔ لیکن ان سب مشکلوں کے باوجود چندر گپت نے بڑی خوبی کے ساتھ راج

کا انتظام کیا۔

حکومت کا سربراہ خود چندر گپت تھا۔ فوج اور انصاف وغیرہ سے متعلق اس کا حکم حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا تھا۔ لڑائی میں وہ فوجوں کی کمان خود کرتا تھا۔ رعایا کی درخواستوں پر بھی خود ہی غور کرتا تھا۔ میگھستینز نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ شہنشاہ جس وقت اپنے محل میں مالش کرا رہے ہوتے اس وقت بھی ان کی رعایا اُن سے مل سکتی تھی۔ حکومت کے اعلیٰ افسروں کا انتخاب شہنشاہ خود ہی کرتے تھے۔ انتظامی معاملوں میں مشورہ دینے کے لئے وزرا کی ایک مجلس بھی تھی۔ مرکزی حکومت کا انتظام پندرہ محکموں میں بٹا ہوا تھا۔

انتظامی سہولت کے لئے پورا ملک کئی صوبوں میں بٹا ہوا تھا۔ مگدھ اور آس پاس کے علاقے براہِ راست شہنشاہ کی نگرانی میں تھے۔ سیاسی اور فوجی لحاظ سے اہم علاقوں کے حکمران شاہی خاندان کے افراد یا شہزادے مقرر کئے جاتے تھے۔ گاؤں کا انتظام گرام سبھا کرتی تھی۔ گرام سبھا کو بہت سے اختیارات حاصل تھے۔ معمولی جھگڑوں کا فیصلہ گرام سبھا ہی کرتی تھی۔ مجرموں کو سزائیں بھی دے سکتی تھی۔ سڑک، پل، تال، تالاب گرام سبھا ہی بنواتی تھی اور تفریح کا انتظام بھی وہی کرتی تھی۔ گاؤں کے منتظم کو 'گرامک' کہتے تھے۔

چندر گپت کی فوج میں چھ لاکھ پیدل، تیس ہزار گھوڑے، نو ہزار ہاتھی اور آٹھ ہزار رتھ تھے۔ اس کے لئے بھی چندر گپت نے ایک الگ محکمہ کھولا تھا۔ چندر گپت نے اپنی فوجوں کو اتنی اچھی طرح سے رکھا کہ اس کی حکومت کے زمانے میں کسی کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ملک کے اندر شہریوں کی حفاظت کے لئے پولیس کا محکمہ بھی قائم تھا۔

چندر گپت بڑی سخت سزائیں دیتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے جرموں کے لئے اس زمانے کے رواج کے مطابق موت کی سزا دی جاتی تھی۔ اس طرح ملک میں جرائم بہت کم ہوتے تھے اور رعایا سکھ چین سے رہتی تھی۔

چندر گپت نے زمینوں کی سینچائی پر کافی زور دیا۔ کہتے ہیں کہ اس نے ایک پہاڑی ندی

پر بند باندھ کر "سدرشن جھیل" بھی بنوائی تھی۔ اس نے پرجا کی بھلائی کا ہمیشہ خیال رکھا۔ اس نے تالاب، نہریں اور سڑکیں بنوائیں، اور سڑکوں پر دوری بتانے والے نشان (سنگ میل) لگوائے۔ اس نے پشاور سے پاٹلی پتر تک لگ بھگ بارہ سو میل لمبی سڑک بنوائی تھی۔ اس نے اکیس برس تک بڑی حسن وخوبی اور خوش انتظامی کے ساتھ راج کیا۔

کہتے ہیں کہ چندر گپت کے آخری زمانے میں مگدھ میں بہت بڑا قحط پڑا۔ چندر گپت جین دھرم کے پیرو ہو گئے تھے۔ اس وقت وہ اپنے بیٹے بندو سار کو حکومت سونپ کر بھدر واہو نامی جین سنت کے ساتھ دکھن میں میسور کی طرف چلے گئے اور وہیں جین مذہب کے عقیدے کے مطابق فاقہ کر کے اپنی جان دے دی۔

یگجیت نول پوری

اشوک

اشوک! ہندوستان کی تاریخ میں یہ بڑا پیارا نام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن مٹھی بھر لوگوں نے ہندوستان کا سر اونچا کیا ہے ان میں اشوک سب سے اگلی صف میں ہیں۔

اشوک راجہ چندر گپت موریہ کا پوتا تھا۔ موریہ بڑے شان و شوکت والے راجہ تھے لیکن ان میں بھی اشوک جیسا مہان راجہ کوئی دوسرا نہ ہوا۔ اس کے پتا کا نام بندوسار تھا۔

اشوک کی ماں برہمن کی بیٹی تھیں۔ بندوسار اپنے اس بیٹے کو اتنا پیار نہیں کرتے تھے۔ ایک بات اور تھی۔ اشوک بدصورت بھی تھا۔ بندوسار کی خواہش اپنے بڑے بیٹے سوسیم کو گدی پر بٹھانے کی تھی۔

جن دنوں سوسیم ایک بغاوت کو کچلنے تکشلا کی جانب گیا ہوا تھا۔ مہاراج بندوسار اچانک بیمار ہو گئے۔ اشوک ان دنوں اجین کا کمار یعنی صوبیدار تھا۔ وہیں اشوک کو ودیشا (حالیہ نام بھیلسہ) کے ایک 'سیٹھی' کی خوبصورت لڑکی دیوی سے محبت ہو گئی تھی۔ بعد میں دیوی اشوک کی مہارانی اور مہندر اور سنگھ متر کی ماں بنی۔

باپ کی بیماری کا حال سنتے ہی اشوک اجین سے بھاگا بھاگا پاٹلی پتر پہونچ گیا۔ پاٹلی پتر وہیں بسا تھا جہاں آج کل پٹنہ ہے۔ یہی موریہ راجاؤں کی راجدھانی تھی۔

باپ کے مرتے ہی اشوک نے گدّی پر قبضہ کر لیا۔ یہ واقعہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے ۲۷۲ برس پہلے کا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بندوسار کی سولہ رانیاں اور ایک سو ایک بیٹے تھے۔ اشوک نے اپنے ننانوے بھائیوں کو مروا کر گدی حاصل کی تھی۔ لیکن مورخ ان باتوں پر یقین نہیں کرتے۔ البتہ اس نے

سوسیم کو مروا ڈالا تھا۔ اس واقعہ نے ملک میں کھلبلی مچا دی تھی اور چار سال تک اشوک کی تاج پوشی رکی رہی تھی۔

کہتے ہیں شروع میں اشوک بڑا ظالم تھا۔ لوگوں نے اس کا نام چنڈ اشوک رکھ چھوڑا تھا۔ اشوک کے کئی نام تھے۔ ایک نام اشوک وردھن بھی تھا۔ کالنگا کی فتح کے بعد وہ دھرم اشوک کہلانے لگا تھا۔ ان دنوں تخت نشینی کے وقت ہر راجہ کا ایک الگ نام بھی دیا جاتا تھا۔ اشوک کا یہ نام شاید 'پیہ دسی' تھا۔ شاہی لقب 'دیوا نام پیہ' تھا۔ 'مگدھ' اور 'شانتا وساد' اس کے دو اور نام تھے۔ گدی پر بیٹھتے وقت چنڈ اشوک نام ہی سب سے مشہور نام تھا۔

لیکن بعد میں یہی چنڈ اشوک اتنا رحمدل ہو گیا کہ کیڑوں مکوڑوں کو نہ مارتا تھا پہلے تو اس نے بے دھرمیوں کو سزا دینے کے لئے ایک نہایت بھیانک سزا گھر بنوا رکھا تھا۔ لیکن بعد میں اسی اشوک نے جانوروں اور پرندوں تک کے لئے ملک بھر میں اسپتال کھلوائے۔

اشوک ایک بہت بڑی سلطنت کا شہنشاہ تھا۔ لیکن اس کی بڑائی لمبی چوڑی سلطنت کے سمراٹ ہونے کی وجہ سے نہیں ہے۔ اس کی عظمت اس میں ہے کہ اس نے دنیا کو امن وشانتی کا پیغام دیا۔ اس نے پورے ایشیا میں رحمدلی اور امن پسندی کے مذہب کا پرچار کیا اور پھیلایا۔ مشرقی یورپ کے ملکوں میں بھی اسی نے پرچارک (مبلغ) بھیجے تھے۔

اشوک کو حکومت کرتے ہوئے لگ بھگ آٹھ سال ہو چکے تھے۔ مہاندی اور گوداوری کے بیچ کا جو علاقہ آج کل اڑیسہ کہلاتا ہے ان دنوں کلنگ کہلاتا تھا۔ اشوک کو اپنی سلطنت وسیع کرنے کی دھن تھی۔ اسی لئے اس نے کلنگ پر چڑھائی کر دی۔ کلنگ کے لوگ بڑے بہادر اور آزادی کے متوالے تھے۔ وہ ڈرے نہیں بلکہ مقابلے کی تیاری کرنے لگے۔ گھمسان کا رن پڑا۔ ایک لاکھ آدمی کام آئے، ڈیڑھ لاکھ قید ہوئے اور اس سے کئی گنا زیادہ بھوک اور بیماری کی بھینٹ چڑھ گئے۔

اتنی بڑی تباہی اور دردناک مناظر نے اشوک کی کایا پلٹ دی۔ چنڈ اشوک دھرم اشوک بن گیا۔ اس کے بعد کی ساری زندگی اس نے مذہب کی خدمت میں لگا دی۔ ملک کے اندر اور باہر

اس نے بدھ مذہب کی تعلیمات کو پھیلایا اور دھرم کے مہامنتری مقرر کئے۔ شاہی اعلانات کی جگہ مذہبی باتوں کا اعلان ہونے لگا۔ اب تک راجہ جیت کی خوشی میں استمبھ (ستون) بنواتے تھے۔ لیکن اشوک نے ایسے استمبھ بنوائے جن پر بدھ مذہب کی تعلیمات کندہ تھیں۔ دان زندگی کا مقصد بن گیا۔ اور دھن دان سے بھی بڑا دھرم دان شروع کیا۔ لڑائی جھگڑے اور خون ریزی کے بجائے امن چین کا دور دورہ ہوا۔ اور جیت کے نقاروں کے بجائے مذہب کا ڈنکا بجنے لگا۔ ایرانی اور آسوری راجہ چٹانوں پر اپنے احکام کھدواتے تھے۔ اشوک نے چٹانوں پر مذہبی باتیں لکھوائیں۔ اس نے ہمیشہ دوسروں کی 'راج نیتی' سے اپنی 'دھرم نیتی' کو بہتر سمجھا۔

لیکن اس سے پہلے اشوک کشمیر جیت کر سری نگر اور نیپال میں دیو اور پاٹن دو نئے شہر بسا چکا تھا۔

بدھ کی زندگی میں ان کا مذہب ملک سے باہر نہیں پھیلا تھا۔ دھرم کو پھیلانے کی خواہش تو مہاتما بدھ کو بھی تھی۔ اس کی ضرورت انھوں نے پوری طرح محسوس کی تھی۔ مگر ان کی یہ خواہش پوری کی تو اشوک نے۔

بدھ مذہب زندگی کو مرکز مان کر چلتا ہے۔ اشوک راجہ تھا۔ اس نے رعایا کی زندگیوں کے لئے اس مذہب کی اہمیت کو بھانپ لیا تھا۔

اشوک نے سارے ملک میں جانوروں کی قربانی بند کرا دی تھی۔ اعلان کر دیا گیا کہ اس حکم کے خلاف ورزی کرنے والے کو پچاس پن (اس وقت کا سکہ) جرمانہ دینا ہوگا۔ اس نے انسانوں اور جانوروں کے لئے الگ الگ اسپتال کھلوائے۔ سڑکوں کے دونوں کناروں پر سایہ دار درخت لگوائے اور کنویں کھدوائے، مذہب کے پرچار کے لئے مہاتماؤں کو ملک سے باہر بھیجنے کا انتظام کیا۔ خود بھی دھرم یاترائیں شروع کیں۔

اس کی دھرم یاترائیں بھی نرالی تھیں۔ پہلے تو وہ ان مقامات پر گیا جن کا تعلق بدھ کی زندگی سے تھا۔ پھر ملک کے تمام اہم مقامات کا چکر لگایا۔ جہاں جہاں گیا پتھروں پر بدھ مذہب کی

تعلیمات، اور ہدایات "کیا کرنا چاہیئے اور کیا نہیں، لکھوا تا گیا۔ جہاں چٹان نہ ہوتی وہاں بڑی بڑی لاٹیں نصب کرائیں اور ان پر عبارتیں کھدوائیں۔ سارے ملک میں ستونوں، پتھر پر کھدی ہوئی ہدایتوں، استوپوں، وہاروں (خانقاہوں) اور گپھاؤں کا جال سا بچھ گیا۔ یہ یادگاریں اس کی مذہب سے محبت اور اپنی رعایا سے محبت کی گواہ ہیں اور اس کا نام ہمیشہ باقی رکھیں گی۔

پتھروں پر لکھی ہوئی یہ عبارتیں ہندوستانی فن کاری کا بے مثال نمونہ ہیں۔ اشوک سے ہزار ڈیڑھ ہزار سال پہلے اور ہزار ڈیڑھ سال بعد میں کلا کے میدان میں اتنا سندر کام کبھی نہ ہوا۔

اشوک کے ایک ایرانی عہدیدار تو شلپ یودن نے گرنار میں ندی پر بند باندھ کر جھیل بنائی تھی۔ اتنے پرانے زمانے میں تعمیر کی اتنی بڑی مثال ڈھونڈھے سے نہیں ملے گی۔

استوپوں کی کلا تو دنیا کو اشوک کی ہی دین ہے۔ اشوک کے اس پرداز تخیل کی داد دئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ استوپوں کی سجاوٹ ان میں چار چاند لگا دیتی ہے۔ بودھ مذہب کی کتابوں کے مطابق اشوک نے ایسے چوراسی ہزار استوپ اور چیتہ (مٹھ) بنوائے تھے۔ غالباً یہ تعداد بڑھا چڑھا کر بتائی گئی ہے لیکن ان کی تعداد تو سینکڑوں میں ہوہی گی۔ بہتوں کا پتہ لگ چکا ہے اور ہو سکتا ہے کہ آئندہ کھدائی میں اوروں کا بھی پتہ چل جائے۔

اشوک کی لاٹیں پچاس فٹ تک اونچی ہیں۔ پوری لاٹ ایک چٹان کو کاٹ کر بنائی گئی ہے۔ کہیں جوڑ تو کیا ایک بال تک نہیں پڑا تھا۔ ان کا رنگ بھی بڑا دلکش تھا۔ ان چٹانوں کو اس طرح کاٹا اور چکنا کیا گیا ہے کہ وہ کانچ کی طرح لگتی ہیں۔ چھینی کی ایک چوٹ بھی غلط یا بھدی نہیں ہے۔ ان لاٹوں کے کنٹھوں تک بیل بوٹے نہیں بنے ہیں۔ اوپری سرے پر ہاتھی، بیل، گھوڑے یا شیر کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ یہ تصویریں علامتی ہیں۔ ہاتھی بدھ کے دنیا میں آنے اور مایا کی کوکھ میں سمانے کی علامت ہے۔ بیل جنم کا، گھوڑا گھر چھوڑنے کا اور شیر دھرم کے پرچار میں گذاری ہوئی زندگی کا نشان ہے۔ اوپری حصہ کی ان علامتی تصویروں کے نیچے کنول کے پھول جیسے کنٹھے ہیں۔ کنٹھوں پر طرح طرح کے جانور اور پرندے اور بیل بوٹے بنائے گئے ہیں۔ فن کاری کے ان تمام نمونوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان سے پہلے

بھی ہماری کلائیں کافی ترقی یافتہ تھیں۔ دوسروں کی نقل کرنے میں بھی بنیادی ذہانت کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر بھی ان میں ایک ایسی زندگی اور ایسی قوت ہے جس کی تعریف کرتے ہوئے فن کے قدردان آج بھی نہیں تھکتے۔

اس کلا پر ایرانی اور یونانی اثرات ہو سکتے ہیں اور شاید ہیں بھی۔ لیکن اشوک کے کلاکاروں نے بڑے حسن و خوبی کے ساتھ اسے ہندوستانی سانچے میں ڈھال دیا ہے۔ ان کا فن اپنے حسن اور دلکشی کے لحاظ سے یونانی اور ایرانی فن سے کہیں بہتر ہے۔ یہ یقینی ہے کہ اشوک کے سب کاریگر ہندوستانی تھے۔ بدیسی کلاکار زیادہ سے زیادہ ان کے استاد رہے ہوں گے لیکن چیلوں نے ان سے تھوڑا ہی بہت لیا ہوگا کیونکہ نقل کہیں بھی نہیں ہے۔

کلا کے ساتھ ساتھ ادب کے میدان بھی اشوک کے زمانے میں بہت ترقی ہوئی۔ اشوک کے کتبوں کی زبان میں بڑا جوش، طاقت، اور زور ہے۔ ایسی زبان ادب کے بغیر پیدا نہیں ہوتی۔ اس زمانے میں کافی کتابیں لکھی گئیں۔

دوسرے دیسوں میں بدھ دھرم پھیلانے کے لئے اشوک نے تیسری دھرم سبھا بلائی۔ دیس بھر کے بودھ عالم جمع ہوئے۔ اشوک کے گرو موگلی پتہ تِسّر نے صدارت کی۔ مختلف مسئلوں پر غور کیا گیا۔ ایک ہزار بھکشوؤں کی ایک پریشد بنائی گئی۔ اس کی بیٹھک نو مہینوں تک ہوتی رہی۔ اس میں مذہبی کتابوں کو بہتر ڈھنگ سے مرتب کیا گیا۔ ستہ کی کتاب 'کتھا دتھو' کو مستند قرار دیا گیا۔ دیس دیس میں پرچارک (مبلغ) بھیجنے کی اسکیم منظور کی گئی۔ کشمیر، گندھارا اور لنکا میں تبلیغ کے کام کا مستقل انتظام کیا گیا۔

اشوک نے غیر ملکوں میں راج دوتوں (سفیر) کے ساتھ دھرم دوت (مذہبی نمائندے) بھی بھیجے۔ پورے پچھمی ایشیا کے راجہ انتیوک، مصر کے راجہ ترُمائے، مقدونیہ کے انتیکن، اترا فریقہ (سائیرفی) کے مکا، اپائی رس کے الک سندر، وغیرہ کے دربار میں بھارت کے ان دھرم دوتوں کی بڑی عزت تھی۔

کمبوج، گندھار، نامک، یون (یونانی) پتینک، بھوج، راشٹرک، کیرل پتر، چول، تام پرنی (سنہالی) ستیہ پتر، وغیرہ سبھی ذاتیں رحم ودوستی کے مذہب کے راستے پر آگئیں۔ آندھر، پارو، کلنگ وغیرہ اشوک کے راج کی ذاتوں میں بھی مذہب نے جڑ پکڑ لی اپنی حکومت کے تیرھویں برس میں اشوک نے ایک نئی وزارت قائم کی۔ پہلے سرحدوں کی دیکھ بھال کے لئے انت مہاماتر، انصاف کرنے کے لئے ناگرک مہاماتر وغیرہ مہامنتری ہوتے تھے۔ اب ایک دھرم مہاماتر بھی ہو گیا۔

اس محکمے کے کارکنوں کی ایک پوری فوج گاؤں گاؤں میں پھیل گئی۔ اشوک کے دھرم کے سندیسوں کو یہ لوگ گھر گھر پہونچانے لگے، اور ہر طرف مذہب کا بول بالا ہو گیا۔

ان ہی سندیسوں میں جنتا کے حقوق کی حفاظت، ان کو آرام پہونچانے کی تدبیریں، اور یتیموں اور بوڑھوں کو سہارا دینے کے اعلانات بھی کئے جاتے تھے۔ مجرموں کو کم سزا دینے اور سب کے ساتھ رحمدلی کے ساتھ پیش آنے کا حکم جگہ جگہ سنایا جانے لگا۔ مختلف فرقوں میں پیار و محبّت اور بھائی چارے کی بنیاد بھی اسی وقت ڈالی گئی۔

رعایا کا حال چال معلوم کرنے کے لئے اشوک خود ہی سارے ملک کا چکر لگاتا رہتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ رعایا میری اولاد ہے۔ لوگ جس طرح اپنی اولاد کو خوشی اور آرام کے لئے کچھ بھی اٹھا نہیں رکھتے۔ اسی طرح اشوک رعایا کے سکھ کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار رہتا تھا۔ اس کا حکم تھا "میں دربار میں رہوں یا کھانے کے کمرے ہیں، سونے کے کمرے میں یا جہاں کہیں میں رہوں بلا روک ٹوک چلے آئیں اور پرجا کا حال سنائیں۔"

وہ بودھ مذہب کو ترقی دینے اور پھیلانے میں کوشاں رہتا تھا۔ بھلائی کرنے میں وہ اپنی رعایا اور دوسری رعایا میں کوئی فرق نہیں کرتا تھا۔ غیر ملکوں میں بدھ مذہب پھیلنے کی وجہ یہی ہے۔ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں تک کو اس نے غیر ملکوں میں دھرم کا پرچار اور جنتا کی خدمت میں لگا رکھا تھا۔ مہندر اور سنگھ مترا لنکا میں، کستن چین اور ختن میں اسی کام کے لئے بھیجے گئے تھے۔

اشوک سبھی مذہبوں کو عزت کی نظر سے دیکھتا تھا اور سب کی مدد کرتا تھا۔ خود تو وہ بدھ کو

ماننے والا تھا اور کبھی کبھی بھکشو بن کر وہاروں میں بھی رہتا تھا۔ استوپ اور استمبھ بنواتا تھا۔ دیس بدیس میں بدھ مذہب کے پرچارک بھیجتا تھا۔ بدھ مذہب کو ہر طرح سے فروغ دینے کی کوششوں میں لگا رہتا تھا اور اس طرح اس نے خاموشی سے دنیا کے افکار و خیالات میں زبردست انقلاب پیدا کر دیا۔ لیکن بودھ مذہب کا اتنا کٹر پیرو ہونے کے باوجود فرقہ پرستی اسے چھو نہیں گئی تھی۔ اس کی رعایا کو اپنی مرضی کے مطابق کسی بھی مذہب کو ماننے کی پوری آزادی تھی۔

اسے مذہب سے بڑا لگاؤ تھا۔ اس کے اپدیش بھارت کے سبھی دھرموں کے اپدیش ہیں۔ ان میں اس نے مذہب کے فرقہ وارانہ پہلوؤں کا ذکر تک نہیں کیا ہے۔ اس نے صرف ان ہی باتوں کی تلقین کی ہے جسے سب خوشی خوشی مان لیں۔ جو بودھ نہیں تھے انھیں بودھ بنانے کی کوشش اس نے کبھی نہیں کی۔ فلسفیانہ مباحثوں میں وہ کبھی نہیں الجھا۔ اس کا مذہب رواداری کا ہی دوسرا نام تھا۔

اشوک کی اس رواداری کا بہت اچھا نتیجہ نکلا۔ سماج میں بڑا اکھڑپن آ گیا تھا، اور مختلف قسم کی برائیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ اشوک نے اپنے اپدیشوں اور طرز عمل سے ان برائیوں کو دور کیا۔ اشوک کی عالی ظرفی نے ہی بدھ دھرم کو دیش اور بدیش میں پھیلایا۔

اشوک کی سلطنت، اتر میں ہمالیہ سے لے کر دکھن میں حیدر آباد میں ماسکی نامی جگہ تک اور پورب میں اڑیسہ سے لے کر کابل تک پھیلی ہوئی تھی۔ راج چار صوبوں میں بٹا ہوا تھا۔ ٹکشلا، اجین، کوسلی (کالنگ) اور السیل (دکھن) چار صوبائی راجدھانیاں تھیں۔ چاروں کونوں کی ان چار راجدھانیوں کے اوپر پاٹلی پتر میں مرکز کی راجدھانی تھی۔ صوبوں کے صوبے دار کمار کہلاتے تھے۔ عام طور سے کمار پٹ رانی (مہارانی) کے بیٹے ہوتے تھے۔ صوبوں کے بھی کئی حصہ ہوتے تھے۔ اس صوبہ کے حکمران راجہ کہلاتے تھے۔

مرکز میں مختلف کاموں کے لئے مختلف وزارتیں ہوتی تھیں۔ اسے 'پریشد' کہتے تھے۔ ہر پریشد کا پردھان ایک مہاماتر ہوتا تھا۔ ضلع کے حکام 'پودسک' کہلاتے تھے۔ تحصیل دار امین کا کام بھی کرتے تھے۔ اس لئے انھیں 'لاجک' کہا جاتا تھا۔

اشوک کی تخت نشینی کی سال گرہ بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی تھی اس موقع پر ہر سال بہت سے قیدی رہا کئے جاتے تھے۔

سینتیس (۳۷) برس تک راج کرنے کے بعد اشوک نے حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے ۲۳۳ برس پہلے راج گدی اپنے پوتے دشرتھ کو سونپ دی اور خود عبادت میں زندگی گذارنے کے لئے دکھن میں برسوَن گری چلا گیا۔ وہاں جانے کے سال بھر بعد ہی اس کی موت ہو گئی۔

اس کی ساری سیاست رعایا کی بھلائی اور سکھ شانتی کے لئے تھی۔ رعایا کی تکلیفوں کو دور کرنا اس کی زندگی کا مقصد تھا، اور بودھ مذہب کی اشاعت اس کا فرض۔ اس کے لئے وہ چین، آرام، نیند سب کچھ چھوڑنے کو تیار رہتا تھا۔ ملکوں کو فتح کرنے کی پالیسی اس نے چھوڑ دی تھی۔ پڑوسی راجوں کے دل سے اس نے ہر طرح کا خوف اور ڈر نکال دیا تھا۔ انھیں ہمیشہ اس کا اطمینان رہتا تھا کہ اشوک سے سکھ ہی ملے گا دکھ نہیں۔ جنگلی ذاتوں میں بھی اس نے مذہب سے لگاؤ اور دلچسپی پیدا کرائی۔

اپنے افسروں کو اس نے حکم دے رکھا تھا۔ رعایا کو دھرم سے پالو، دھرم سے ملک کا دھان چلاؤ۔ دھرم سے جنتا کی بھلائی کرو۔ دھرم سے لوگوں کی حفاظت کرو۔ تمہارا کام جنتا کی سیوا کرنا ہے۔ اس لئے دل لگا کر ان کی سیوا کرو۔

صرف حکم دے کر ہی وہ خاموش نہیں ہو گیا۔ بڑی سختی سے ان پر عمل بھی کراتا تھا۔ اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو وہ معاف نہیں کرتا تھا۔ کوئی عہدیدار اگر کوئی غلطی کرتا تو اسے پہلے بڑی نرمی سے سمجھاتا اور اس کی غلطی بتاتا اور اگر سمجھانے بجھانے سے اس کی اصلاح نہ ہوتی پھر اسے سزا دیتا تھا۔

اشوک آدرش وادی اور جذباتی تو تھا ہی۔ عقلمند اور صاف دل کا بھی تھا۔ وہ بڑے مضبوط ارادے کا آدمی تھا اور کچھ ٹھوس کام کرنے کی لگن رکھتا تھا۔ اس نے عوام کی خدمت کے لئے اپنا جیون دان کر دیا تھا۔ وہ رحمدل تھا اور لوگوں کے قصور معاف کر دیتا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ طاقتور اور اچھا حکمران بھی تھا۔ اس کے پورے راج میں امن وچین تھا۔

ہندوستانی جمہوریہ نے اشوک کے چکر کو اپنا نشان بنا کر اشوک کے اوچے آدرشوں کو ہی قبولیت بخشی ہے۔ اشوک کی عظمت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ آزاد ہندوستان اشوک کی ہی طرح دنیا کے تمام دیشوں کے ساتھ دوستی کے تعلقات قائم رکھنے کی نیتی پر چل رہا ہے۔ آج ساری دنیا بھارت کی شانتی اور دوستی کی نیتی کو سراہتی ہے۔ اس کے ساتھ ایک بودھ حکومت کے چکر کو ہندوؤں کی اکثریت والی ریاست کا نشان ماننے سے ہمارے دیش سیکولر کردار پر روشنی پڑتی ہے۔ جہاں کہیں اچھی چیز ملے اس کو قبول کر لینے کا جذبہ ہونا چاہیئے۔

رمیش نرائن تیواری

وشنو شرما

جنوبی ہند میں مہیلا روپے نام کا شہر تھا۔ اس شہر میں ایک وقت امر شکتی نام کا راجہ راج کرتا
تھا۔ اس راجہ کے تین لڑکے تھے۔ ان کے نام تھے بہو شکتی۔ اگرہ شکتی اور انت شکتی۔ یہ تینوں لڑکے بالکل
مورکھ اور شرارتی تھے اور ہر وقت ہنگامہ مچاتے رہتے تھے۔ ان تینوں میں سے کسی کو پڑھنے کا ذرا بھی
شوق نہ تھا۔ اپنے بیٹوں کے لچھن دیکھ کر راجہ امر شکتی بہت دکھی اور فکر مند رہتے تھے۔

ایک بار راجہ امر شکتی نے بھرے دربار میں اپنی اس پریشانی کا ذکر کیا۔ راجہ کی بات سن کر
ساری سبھا میں سناٹا چھا گیا۔ آخر میں وشنو شرما نام کے ایک پنڈت نے کہا کہ راجکماروں کو میرے
حوالے کر دیجئے چھ مہینے کے اندر ہی میں انھیں سیاست کے سارے گر سکھا دوں گا۔ راجہ امر شکتی نے
ان کی یہ بات مان لی اور تینوں راج کمار ان کے حوالے کر دئے گئے۔

وشنو شرما ان تینوں کو اپنے گھر لے گئے اور ان کو اچھی کہانیاں سنانے لگے جو بعد میں "پنچ تنتر"
کے نام سے مشہور ہوئیں۔ ان کی یہ کہانیاں بڑی دلچسپ تھیں۔ ان کہانیوں کو راج کماروں کو سننے میں
بڑا مزہ آتا تھا۔ ان کی کہانیوں کے ذریعہ وشنو شرما ان کو سیاست کے گر بھی بتاتے جاتے تھے۔ چھ مہینے کے
اندر ہی تینوں راج کمار سیاست اور راج پاٹ کرنے کی پوری جانکاری حاصل کر کے اپنے پتا کے گھر
لوٹ آئے۔

بس وشنو شرما کے بارے میں اتنا ہی معلوم ہے۔ ان کا اصلی نام وشنو شرما تھا یا وشنو شرما
فرضی نام ہے یہ بھی ہم نہیں جانتے۔ یہ کب پیدا ہوئے اور کب ان کا انتقال ہوا ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ ہمیں
یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ ان کے ماتا پتا کون تھے یا کب انھوں نے پنچ تنتر لکھی۔ پنچ تنتر کے علاوہ انھوں

نے کوئی اور کتاب لکھی ہے یا نہیں یہ بھی ہمیں معلوم نہیں۔ عالموں کا کہنا ہے کہ "پنچ تنتر" ۲۰۰ سے ۳۰۰ ء کے درمیان لکھی گئی ہے۔

ہرٹیل کے مرتب کردہ پنچ تنتر کے پہلے حصہ میں ۲۴، دوسرے حصہ میں ۱۰، تیسرے میں ۱۸، چوتھے میں ۱۳ اور پانچویں میں ۱۲ کہانیاں ہیں۔ خوبی یہ ہے کہ ہر حصہ کی جو پہلی کہانی ہے وہی اس کی خاص کہانی ہے۔ اس کہانی کے بیچ میں چھوٹی کہانیاں ہوتی تھیں لیکن پہلی اور اس کے بعد کی چھوٹی کہانیوں کے آخر میں نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ پہلی کہانی کا خاتمہ کیسے ہوا۔

پنچ تنتر کی یہ کہانیاں صرف دل بہلانے کی کہانیاں نہیں ہیں۔ ان میں سیاست کے اصول سمجھائے گئے ہیں۔ ہر ایک کہانی سیاست کے کسی پہلو کی ترجمانی کرتی ہے۔ اس کتاب میں جو کہانیاں ہیں ان میں منو، شنکر اور چانکیہ کی سیاست سے متعلق باتوں کا مطلب بڑے اچھے اور آسان انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اور اس طرح دیا گیا ہے کہ موٹی سے موٹی عقل والے کی سمجھ میں آسانی سے آجاتے۔ وشنوشرما کی ان کہانیوں سے متعلق سر ولیم جونس نے جو اس وقت کلکتہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس تھے ٹھیک ہی لکھا تھا کہ ان کی کہانیاں دنیا کی سب کہانیوں سے زیادہ اچھی اور پرانی ہیں۔

پہلے حصہ میں وشنوشرما نے راج کماروں کو متر بھید (دوستی میں دشمنی) سمجھانے کے لئے ایک کہانی سنائی، کہانی یہ ہے کہ سنجیوک نام کے ایک بیل کے ساتھ پنگلک نام کے ایک شیر کی بڑی دوستی ہوگئی۔ یہ بات دو گیدڑوں کرٹک اور دمنک کو جو جنگل کے راجہ پنگلک کے پرانے وزیر کے لڑکے تھے، بہت بُری لگی اور دونوں سوچنے لگے کہ بیل اور شیر کی دوستی کسی طرح ٹوٹ جائے۔

دمنک اور کرٹک کے درمیان اس بات پر بڑی لمبی بحث ہوئی کہ پنگلک اور سنجیوک کو کس طرح لڑایا جائے جس سے پنگلک اپنے پیارے دوست سنجیوک کو مار ڈالے۔ دمنک اور کرٹک کے بیچ ہونے والی بحث کے دوران بہت سی اچھی کہانیاں سنائی گئی ہیں۔ پہلی کہانی ایک بندر کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ کیسے بندر نے اپنی بے وقوفی سے اپنی دم گنوائی۔ دوسری کہانی ایک گیدڑ کی ہے جو پہلے تو نقارے کی آواز سے ڈر گیا تھا لیکن بعد میں پتہ لگانے سے اسے معلوم ہوا کہ ڈھول کے اندر پول ہے۔ اس طرح سے

ایک کے بعد ایک چھوٹی چھوٹی کہانیوں کا سلسلہ ہے اور آخیر میں دمنک جنگل کے راجہ پنگلک کو سمجھاتا ہے کہ شیر تو ہمیشہ بیلوں کا شکار کرتے رہے ہیں پھر کیوں وہ بیل سنجیوک کو اپنا دوست بنائے ہوئے ہے۔ گیدڑ اپنی چال میں کامیاب ہو جاتا ہے اور بیل سنجیوک اور شیر پنگلک کی دوستی یہاں تک دشمنی میں بدل جاتی ہے کہ جنگل کا راجہ بے چارے کو مار ہی ڈالتا ہے۔ بیل کو مارنے کے بعد جب شیر اپنے خون سے بھرے ہوئے پنجے کو دیکھتا ہے تو اسے بہت دکھ ہوتا ہے۔ مگر گیدڑ دمنک پھر شیر کو سمجھاتا ہے جس سے اس کا غم دور ہو جاتا ہے۔ آخر میں دمنک جنگل کے راجہ پنگلک کا وزیر بننے کے منصوبے میں بھی کامیاب ہو جاتا ہے۔

پہلے حصہ کی سب کہانیوں کا نچوڑ یہ ہے کہ کیسے دو دوست راجاؤں میں پھوٹ کے بیج بوئے جائیں۔ جس سے وہ آپس ہی میں لڑ مریں۔ اسی طرح سے باقی چار حصوں میں سیاست کے باقی چار اصولوں اور کہانیوں اور چھوٹی کہانیوں کے ذریعے وشنو شرما نے تینوں راج کماروں کو سکھایا اور چھ مہینے کے اندر وہ سیاست میں ماہر ہو گئے۔

ان کہانیوں اور چھوٹی کہانیوں کے بہت سے اداکار یا تو جانور ہیں یا پرندے۔ لیکن ان جانوروں اور پرندوں کی کہانیاں اتنی دلچسپ اور سبق آموز ہیں کہ ۲۰۰۰ سال بعد بھی ہم ان کو بڑی دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔ بہت پرانی ہونے پر بھی وہ نئی سی لگتی ہیں۔ ان کا یہ نیاپن زماں و مکاں کی قیود سے آزاد ہے۔ جو بات ۲۰۰۰ سال پہلے سے ان میں تھی وہ اتنا عرصہ گذر جانے پر بھی ان کہانیوں میں ملتی ہے۔ ۲۰۰۰ سال پہلے سنائی گئی ان کہانیوں کو آج ساری دنیا کے لڑکے اور لڑکیاں پڑھتی ہیں۔ یہ کہانیاں اتنی دلچسپ ہیں کہ اگر ہم پنچ تنتر کی ایک کہانی پڑھیں تو جب تک پوری کتاب ختم نہ کر لیں تب تک چین نہیں لیں گے۔

پنچ تنتر کی کہانیاں جہاں دلچسپ ہیں وہاں سبق آموز بھی ہیں۔ ہندوؤں کو دھرم شاستروں میں تو دنیا سے زیادہ عاقبت سنوارنے پر زور دیا گیا ہے لیکن پنچ تنتر میں جگہ جگہ پر شلوکوں کے جو حوالے دیئے گئے ہیں ان میں سیاست کے ایسے فقرے ہیں جن سے دنیاوی زندگی کی اہمیت بھی ظاہر

ہوتی ہے۔ اس دنیا میں کیسے زندگی گذارنی چاہیئے، دوسروں کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیئے وغیرہ وغیرہ یہ باتیں وشنو شرما نے ان کہانیوں کے ذریعے ہمیں بتائی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پنچ تنتر کی کہانیوں کا خالق دنیاوی معاملات سے بخوبی واقف ہے۔ اس نے پنچ تنتر کی کہانیوں میں دنیادی معاملات جیسے روکھے موضوع کو بھی دلچسپی سے بھر دیا ہے۔

کسی نے ٹھیک کہا ہے کہ پنچ تنتر کی کہانیاں اگرچہ دلچسپ اور سبق آموز ہیں مگر دیس بدیس میں پنچ تنتر کے مقبول اور مروج ہونے کی کہانی بھی کم دلچسپ نہیں ہے۔ نہ جانے اس کے کتنے ترجمے ہوئے اور اس کی کہانیوں کی بنیاد پر نہ جانے کتنے قصے گھڑے گئے۔

ہندوستان میں کم سے کم پانچ قسم کے پنچ تنتر ملتے ہیں ان میں تنترا کھیایکا، کا نام سب سے پہلے آتا ہے۔ پنچ تنتر کا یہ مجموعہ کب مرتب ہوا یہ بتانا ممکن نہیں، لیکن اس میں شک نہیں کہ اس مجموعے میں کچھ ایسی بھی کہانیاں جوڑ دی گئیں جو اصل میں نہیں تھیں۔ ممکن ہے مغربی ہند میں رہنے والے کسی جینی نے ۱۱۰۰ء کے شروع میں اس کو مرتب کیا ہو۔ ۱۱۹۹ء کے قریب پورن بھدر نام کے ایک جینی عالم نے اس کا دوسرا ایڈیشن تیار کیا۔

جنوبی ہند میں بھی پنچ تنتر کے ایک ایڈیشن کی بنیاد پر پانچ مختلف قسم کے پنچ تنتر اس وقت ملتے ہیں۔ ایک مغربی عالم کا کہنا ہے کہ اصل پنچ تنتر کی نثر کا تین چوتھائی حصہ اور نظم کا آدھا حصہ ان ایڈیشنوں میں محفوظ ہے۔ لیکن جنوبی ہند کا پہلا ایڈیشن کوی بھاروی کا بنایا جاتا ہے۔ بھاروی کا زمانہ ۵۵۰ء مانا جاتا ہے پنچ تنتر کا۔ ایک نیپالی ایڈیشن بھی ہے۔ یہ ایڈیشن ہتوپدیش کے پہلے کا ہے پنچ تنتر کا ایک اور ایڈیشن ہتوپدیش کے نام سے بنگال میں مروّج ہے۔ ہتوپدیش کے مصنف کا نام نارائن تھا اور ان کے سرپرست کا نام راجہ دھول چندر تھا۔ ہتوپدیش میں پنچ تنتر کی کہانیاں ضرور ہیں مگر اس میں اور پنچ تنتر میں فرق بھی کافی ہے۔

پنچ تنتر کا ترجمہ کئی غیر ملکی بھاشاؤں میں ہوا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسی زبان ہو جس میں پنچ تنتر کا ترجمہ نہ ہوا ہو۔ سب سے پہلے ایران کی پرانی بھاشا پہلوی میں پنچ تنتر کا

ترجمہ برزوئی نے ۵۵۰ء کے قریب کیا تھا۔ جواب نہیں ملتا۔ اس ترجمے کی بنیاد پر پنچ تنتر کو سیام دیش کی سیامی بھاشا میں پیش کیا گیا اور کچھ دن بعد عربی میں پنچ تنتر کی کہانیاں پیش کی گئیں۔ عربی میں شائع ہونے کے بعد پنچ تنتر کا سیامی بھاشا میں دسویں یا گیارہویں صدی میں نیا ایڈیشن نکلا اور گیارہویں صدی کے آخر میں اسے یونانی بھاشا میں بھی شائع کیا گیا۔ گیارہویں صدی میں ہی پنچ تنتر کا ترجمہ عبرانی زبان میں شائع ہوا اور تیرہویں صدی کے تقریباً وسط میں اسی ترجمے کی بنیاد پر پنچ تنتر کی کہانیاں جرمن زبان میں شائع ہوئیں۔ پندرہویں صدی کے آخر میں پنچ تنتر کا ترجمہ اسپینی بھاشا میں ہوا۔ سولہویں صدی کے وسط میں اسی ترجمے پر مبنی اٹلی کی بھاشا میں اس کا ترجمہ ہوا۔ بعد میں یہی ترجمہ فرانسیسی زبان میں ترجمے کا باعث ہوا۔

پنچ تنتر کی بنیاد پر فارسی میں انوار سہیلی لکھی گئی۔ انوار سہیلی کے ذریعہ پنچ تنتر کی کہانیاں مشرقی ملکوں میں مقبول ہوئیں۔ انوار سہیلی کا ترکی، فرینچ، جرمن، ڈچ یہاں تک کہ ملایا کی بھاشا میں بھی ترجمہ ہوا۔ پنچ تنتر کے ترجمے ان گنت ہیں۔ اِن کہانیوں کی دلچسپی کبھی ختم نہ ہوگی اور یہ زمانے اور وقت کی قید سے آزاد ہیں۔ پرانی ہوتے ہوئے بھی وہ ہمیشہ نئی ہیں۔ پنچ تنتر دنیا کو بھارت کی امر دین ہے۔

رمیش نرائن تیواری

آریہ بھٹ

جیسے حساب کے میدان میں ہندوستان نے دنیا کو ایک سے نو تک کے ہندسے سکھائے۔ ویسے ہی اس نے اعشاری نظام دریافت کر کے اس میدان میں ایک بڑا انقلاب لایا۔ اس دریافت کا سہرا جس عظیم ہستی کے سر ہے اس کا نام آریہ بھٹ ہے۔

آریہ بھٹ سے پہلے ویدوں کے زمانے سے ہی اس ملک کے پنڈتوں کو جیوتش اور حساب میں کافی دلچسپی تھی اور وقتاً فوقتاً ان دونوں ہی میدانوں میں انھوں نے بڑی اہم باتیں دریافت کیں۔ رگ وید میں اس بات کا بہت سا ثبوت ملتا ہے اس زمانے میں بھی ہندوستانی آریہ حساب اور جیوتش میں کس قدر آگے بڑھے ہوئے تھے۔ یہ لوگ رات اور دن ہونے یا موسم بدلنے کی وجہ سورج کو سمجھتے تھے۔ انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ سورج کی روشنی سے ہی چاند کو روشنی ملتی ہے۔ سورج کی چال کو دیکھ کر وہ اندازہ لگاتے تھے کہ بسنت کا موسم کب آئے گا، اور کب سرد موسم شروع ہوگا۔ کچھ مغربی عالموں کا تو یہ کہنا ہے کہ انھیں زمین کے محور کا بھی پتہ تھا کہ کہاں ہے۔

یجروید، براہمنوں اور اپنیشدوں کے زمانے میں جیوتش اور حساب سلسلہ وار نکشتر ودیا (علم ہیئت) راشی ودیا (علم نجوم) اورشلب ودیا (جومیٹری) کے نام سے مشہور ہوئے۔ اور ویدوں کے عالموں کے لئے ان ودیاؤں کا علم ضروری تھا۔ سوتروں کے زمانے میں تو حساب اور جیوتش ویدوں کا حصہ مانا جانے لگا اور اس وقت سے یہ علم 'ویدانگ' کے نام سے مشہور ہو گیا۔ جس کا مطلب ہوا کہ ویدوں کا ایک حصہ۔

۔ یجروید میں نکشتردش "گنک" وغیرہ لفظ ملتے ہیں اگرچہ اس زمانے کے حسابدانوں اور

جیوتشیوں کے نام تک کا پتہ نہیں ہے۔ اس زمانے میں صرف گرگ کا ہی نام ہمیں یاد ہے جو گرگ سنگھیتا کے مصنف کہے جاتے ہیں لیکن ان کے نام سے مشہور جو سنگھیتا اس وقت ہمیں دستیاب ہے اس میں دوسروں کے لکھے ہوئے اتنے حصے شامل ہیں کہ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ سنگھیتا وہی ہے جسے مہارشی گرگ نے لکھا تھا۔

مہارشی گرگ کے بعد جیوتش کے مشہور عالم لگدھ ہوئے جن کی کتاب یاجش جیوتش ویدانگ اس وقت بھی ملتی ہے۔ لگدھ کشمیر کے رہنے والے تھے۔ دکشت اور تلک نے ان کی اس کتاب کا سن تصنیف آج سے ۳۴۰۰ سال قبل مانا ہے۔ اس کتاب میں راشیوں کا ذکر نہیں ہے۔ اس میں ذکر ہے صرف ۲۷ ستاروں کی نقل وحرکت کا۔ اور ذکر ہے سورج اور چاند کی پانچ سالہ گردش کا۔ تین پرانے سنگھیتاؤں میں بھی انہی باتوں کا اشارہ ہمیں ملتا ہے۔

آریہ بھٹ کے بارے میں ہمیں بہت کم معلوم ہے۔ اس کا جنم کسم پور یا پاٹلی پتر (پٹنہ) میں ہوا تھا اور اس کے پیدا ہونے کی تاریخ ۴۷۶ء مانی جاتی ہے۔ ۴۹۹ء میں جب وہ ۲۳ سال کے تھے انھوں نے لکھنا شروع کیا۔ ان کی لکھی ہوئی تین کتابیں ہمیں ملتی ہیں۔ پہلی کا نام ہے آریہ بھٹیہ۔ اس میں دس آریہ چھند میں دس اشلوک ہیں۔ دوسری کتاب ہے دیشیکا سوتر جس میں گنتی کے طریقے کی تشریح کی ہے۔ تیسری کتاب ہے آریہ شٹ شت جس میں ۱۰۸ اشلوک ہیں۔ ۳۳ اشلوکوں میں حساب ۲۵ اشلوکوں میں کال کریہ یا وقت ناپنے کا طریقہ باقی ۵۰ اشلوکوں میں گولہ کا ذکر ہے۔ ان تین کتابوں کے علاوہ اگر انھوں نے کوئی اور کتاب لکھی ہو تو وہ اب تک ہمیں نہیں ملی۔

یہاں پر یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ ہندوستان کی تاریخ میں پہلی بار آریہ بھٹ نے علم الحساب کو جیوتش سے الگ کر کے اپنی کتابوں میں اس کی علیحدہ حیثیت قائم کی۔ مغرب کے ایک عالم کا کہنا ہے کہ "سورج سدھانت" کے مل جانے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ آریہ بھٹ کو ضرورت سے زیادہ

عزّت دی گئی ہے۔ کیونکہ انھوں نے جو کچھ لکھا وہ "سوریہ سدھانت" میں پیش کئے گئے اصولوں سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے۔

آریہ بھٹ کے مطابق زمین گول تھی اور اپنے محور پر گھومتی تھی۔ ان کے خیال میں چاند گرہن کی وجہ یہ نہیں تھی کہ راہو چاند کو نگل لیتا ہے بلکہ یہ تھا کہ سورج اور چاند کے درمیان زمین آجاتی ہے۔

یہاں یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ آریہ بھٹ دوم آریہ بھٹ اول سے جن کا ذکر کیا جارہا ہے مختلف تھے۔ آریہ بھٹ دوم نے دسویں صدی عیسوی میں ایک گرنتھ لکھا جو "آریہ سدھانت" کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن آریہ سدھانت میں گنتی کے جس طریقے کا ذکر ہے اس میں اور آریہ بھٹ کے گنتی کے طریقے میں بہت فرق ہے اس لئے عالموں کا کہنا ہے یہ آریہ بھٹ اول سے مختلف تھے۔

آریہ بھٹ اول ہی نے جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے پہلے پہل حساب کو جیوتش سے الگ کرکے ایک علیحدہ حیثیت دی۔ ان کی گنتی کا طریقہ بھی عجیب تھا۔ انھوں نے ا سے ۲۵ تک کے اعداد کو بتانے کے لئے کا سے لے کر ما تک کے حروف صحیح کا استعمال کیا ہے اور یا سے ہا تک کے حروف صحیح ان کے مطابق ۳۰ سے ۱۰۰ تک کے اعداد کو ظاہر کرتے ہیں۔

آریہ بھٹ کے بعد بھارت میں جیوتش کے دو اور ماہر ہوئے ایک کا نام وراہمیہر تھا جن کا زمانہ چھٹی صدی بتایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وراہمیہر کی موت ۵۸۷ء میں ہوئی۔ یہ نہیں معلوم کہ وہ کہاں اور کب پیدا ہوئے۔ اور نہ ان کے ماتا پتا ہی کا نام معلوم ہے۔ انھوں نے اپنے "سیدھانتیکا" نام کی کتاب میں پرانے پانچ اصولوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ ان پانچوں اصولوں کا پہلے ہی ذکر ہو چکا ہے۔ آریہ بھٹ نے چندر گرہن کے بارے میں جو کچھ لکھا تھا اس کو انھوں نے غلط بتایا اور اس کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اور مروجہ نظریوں کے خلاف رائے ظاہر کرنے کی وجہ سے آریہ بھٹ کی سخت مذمت کی۔

دوسرے کا نام برہم گپت تھا جو ۵۹۸ء میں پیدا ہوئے۔ ملتان کے نزدیک بھِلّ مل نام کا گاؤں ان کا جنم استھان کہا جاتا ہے۔ ان کے والد کا نام جشنو تھا۔ انھوں نے ۶۲۸ء میں

'برہم سدھانت' یا 'سپھٹ سدھانت' نام کی کتاب لکھی۔ ۶۶۵ء میں انھوں نے ایک دوسری کتاب لکھی جس کا نام "کھنڈ کھادیک" تھا۔ اس کتاب میں انھوں نے جیوتش کے بارے میں گنتی کے آسان طریقے بتائے ہیں۔ یہ کتاب آریہ بھٹ کے ایک ایسی کتاب کی بنیاد پر لکھی گئی ہے جس کا اب کوئی نشان نہیں ملتا۔ آریہ بھٹ اول کے چندر گرہن سے متعلق جو خیالات تھے برہم گپت نے آریہ سدھانت کے گیارہویں باب میں اس کی سخت مخالفت کی ہے۔ یہ ماننا پڑے گا کہ برہم گپت بھی آریہ بھٹ کے برابر ہی حساب میں ماہر تھے۔

پربھاکر ماچوے

ناگ ارجن

پرانے زمانے میں کئی ایسے آدمی ہوئے ہیں جن کے بارے میں سوا ان کے نام کے ہمیں کچھ اور معلوم نہیں ہے۔ ناگ ارجن بھی ایک ایسے ہی آدمی تھے۔ وہ بدھ مت کے پیرو تھے۔ اتنا ہی ہمیں پتہ ہے۔ ویسے ناگ ارجن نام کے تین اور بھی آدمی ہوئے ہیں۔

لیکن جن ناگ ارجن کا ذکر کیا جا رہا ہے وہ ایک بہت بڑے بدھ فلسفی اور غیر معمولی قابلیت کے مالک تھے۔ انھوں نے بودھ فلسفے کی تاریخ میں ایک نئے یگ کی شروعات کیں اور اسے ایک نیا انداز بخشا۔ انھوں نے بودھ فلسفے کے مادھمک مت (فرقے) کی تنظیم کی تھی جسے شونیہ واد بھی کہتے ہیں۔ بودھ دھرم کے مہایان فرقے کی دو شاخیں ہو گئی تھیں۔ مادھمک اور یوگا چار کہتے ہیں کہ مہایان کی مادھمک شاخ کی بنیاد انھوں نے رکھی تھی۔

کچھ لوگ کہتے ہیں پرانے زمانے کے مشہور سائنس دان ناگ ارجن بھی یہی تھے۔ تبت میں میں تو وہ دیوتا کی طرح پوجے جاتے ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں یہ بڑے مصوّر تھے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ ایک مشہور مصنف بھی تھے۔

کیمیا بنانے کے بارے میں تو تم نے سنا ہوگا یعنی تانبہ کو سونا بنا دینا۔ اس فن کو حاصل کرنے کے لئے دنیا کے لاکھوں لوگ بڑی کوششیں کرتے رہے مگر کسی کو کامیابی نہ ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ ناگ ارجن اس فن سے واقف تھے۔ شری پرپھول چندر رائے کی کتاب ہندوستانی رسائن شاستر (علم کیمیا) کی تاریخ میں ناگ ارجن کا نام اس باب میں لیا گیا ہے۔

ڈاکٹر رادھا کرشنن نے اپنی کتاب میں ان کے بارے میں یہ لکھا ہے "ناگ ارجن جنوبی ہند

کے ایک برہمن تھے۔ کمار جیو نے ان کی زندگی کی کہانی ۴۰۵ء میں چینی زبان میں لکھی تھی۔

ان کے مطابق ناگ ارجن دوسری صدی عیسوی میں جنوبی کوسل یا برار میں پیدا ہوئے تھے۔ کچھ لوگ انھیں اور بھی پرانا کہتے ہیں۔

شرت چندر داس کا خیال ہے کہ تبت کے دلائی لامہ کے پاس ہندوستان کی پرانی تاریخ کی جو کہانی ہے اس کے حساب سے ناگ ارجن اس سے بھی پہلے یعنی حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے ۵۶ سال پہلے ہوئے ہیں۔ اس طرح وہ آج سے گویا دو ہزار برس پہلے گذرے ہیں۔

چینی سیاح ہواں سانگ لکھتے ہیں کہ ناگ ارجن بدھ کے مرنے کے چار سو سال بعد دکھن کوسل (برار) میں رہتے تھے۔ اور وہ پہنچے ہوئے گیانی تھے۔ ڈاکٹر ودیا بھوشن انھیں ۳۰۰ عیسوی کا مانتے ہیں۔ کچھ بھی ہو پندرہ سو برس پہلے تو وہ ضرور ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ اس کے بعد کی کتابوں میں ناگ ارجن نے جو مت چلایا تھا اس کا ذکر ہے۔

ان کے عقیدے کو مادھمک کہتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے بیچ کا راستہ۔ سارناتھ میں اپنے پہلی تقریر میں بدھ نے بھی مادھیم مارگ یعنی بیچ کا راستہ اختیار کرنے کی بات کہی تھی۔ انھوں نے کہا تھا کہ جیون میں ایک راستہ نہایت ولاس (عیش و آرام) کا ہے اور دوسرا راستہ بہت زیادہ تپ کا ہے۔ ایک تیسرا راستہ بھی ہے جو نہ بہت زیادہ ولاس کا ہے اور نہ زیادہ تپ کا بلکہ دونوں کے بیچ کا ہے۔ لیکن مادھمک مت کو ماننے والوں نے جو بیچ کا راستہ اپنایا وہ بدھ کے مادھیم مارگ سے مختلف ہے۔ مادھمک مت کے مطابق بیچ کے راستے کا مطلب نہ تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ کوئی چیز ہے اور نہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ نہیں ہے۔ نہ تو کسی چیز کا پیدا ہونا ثابت کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کا خاتمہ ہی ثابت کیا جا سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ مادھیمک دھرم نہ تو سنسار کی سچائی کو مانتا ہے اور نہ دنیا سے نجات پانے کو۔

ناگ ارجن کی زندگی کی بہت کم باتیں ہمیں معلوم ہیں۔ راجہ یگیہ شری گوتم پتر (۱۶۶ - ۱۹۶) ان کے دوست تھے۔ کہتے ہیں کہ ناگ ارجن کے مقابلے کا شاستر جاننے والا اس زمانے

میں کوئی دوسرا نہیں تھا۔

ناگ ارجن بچپن میں ایسے طالب علم تھے کہ پیٹ راتری پٹک جو کئی ہزار صفحوں میں ہیں انھوں نے کل ۹۰ دن میں یاد کر لیا تھا۔ اور اتنا پڑھ کر بھی ان کا دل نہیں بھرا۔ یہ ہمالیہ میں رہنے والے ایک بہت بوڑھے بھکشو کے پاس گئے۔ پھر جنوبی ہند میں شری سیلم چلے گئے۔ اور وہیں انھوں نے اپنی باقی زندگی گذار دی۔ اس جگہ کو انھوں نے بدھ مت کی تعلیمات کا بہت بڑا مرکز بنایا۔ تبت کی کچھ کتابوں میں لکھا ہے کہ ناگ ارجن نالندہ میں بھی چند سال رہے۔ چینی یاتری ہوان سانگ نے لکھا ہے۔

"دنیا کو چمکانے والے چار سورج ہوئے ہیں۔ ان میں ایک ناگ ارجن ہیں۔ باقی تین اشوگھوش، کمارلبدھ، اور آریہ دیو ہیں"

ناگ ارجن کی کئی کتابوں کا چینی زبان میں ترجمہ ہوا۔ ایسی کتابوں کی تعداد لگ بھگ بیس ہے۔ عجیب بات ہے کہ ہندوستان میں ان کی کوئی کتاب نہیں ملتی۔ مگر یہ کتابیں چینی زبان میں ملتی ہیں۔ ناگ ارجن نے اپنے دوست راجہ یگیہ شری کو کچھ خطوط لکھے تھے۔ وہ سوہرلیکھ نام سے مشہور ہیں۔ پرانے چینی یاتری ای۔ تسینگ نے لکھا ہے کہ ہندوستان کے بچے جس کتاب کو زبانی یاد رکھتے تھے۔ اس میں سیاست کی بڑی بڑی باتیں ہوتی تھیں۔

چین اور جاپان میں بھی ناگ ارجن کے خیالات پہنچے۔ وہاں یہ سان لون یا سان رین کہلاتے تھے۔ ان کا مطلب ہے تین کتابیں۔ ان کتابوں میں پہلی ناگ ارجن کی ہے۔ اصل سنسکرت کتاب روس کے پروفیسر چرباسکی نے ۱۹۲۷ء میں تلاش کی اور چھاپی۔ اس کا ترجمہ کمارجیو نے ۴۰۹ء میں چینی زبان میں کیا تھا۔ اس کتاب میں ۴۰۰ اشلوک ہیں۔ دوسری کتاب کا نام "بارہ راستے" ہے۔ یہ بھی ناگ ارجن کی لکھی ہوئی ہے۔ اصل کتاب جو سنسکرت میں ہے نہیں ملتی۔ اس کا چینی ترجمہ ملتا ہے۔ تیسری کا نام شت شاستر ہے۔ یہ ناگ ارجن کے شاگرد آریہ دیو کی لکھی ہوئی ہے۔

(شیرا) فرقے کے لوگوں کا خیال ہے کہ ناگ ارجن کی ایک چوتھی کتاب "شہی لن" بھی ہے۔ جب ناگ ارجن کی کتابیں چین پہونچیں تب کئی بڑے لوگ ان کے خیالات سے متاثر ہوئے اور ان کے پیرو ہو گئے جیسے تاؤ شینگ، تان چی، سینگ لانگ، ساتویں صدی عیسوی میں جی سانگ کے کوریہ کے طالب علم ایک وان (لوئی کوآن) اسی دھرم کو جاپان لے گئے۔ ۶۲۵ء میں ناسا کے گوانگو جی مٹھ میں اس مت کی تعلیم دی جانے لگی۔ ان کے چیلے تیزو اور بعد میں دوضی نے اسے اور بھی بڑھایا۔ اسے چین میں "کوگاں" (شونیتا) کہتے ہیں۔

ناگ ارجن کا نام آج سب لوگ جانتے ہیں۔ اس کی وجہ ان کی ایک مہان کتاب ہے جسے "مول مدھیم کاریکا" کہتے ہیں۔ ان کے مت کو شونیا وادبھی کہتے ہیں۔ شاید اس وجہ کی انھوں نے اپنے پہلے کے مفکروں کی ساری باتوں کو رد کر دیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ جس کو ہم دکھ کہتے ہیں وہ جھوٹ ہے۔ ہر چیز بدلی جاتی ہے۔ اس لئے نہ تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ کوئی چیز ہے اور نہ یہ کہ وہ نہیں ہے۔ یوں ہر چیز کو ناگ ارجن نے شونیا (خیالی) بنا دیا۔ ناگ ارجن نے کہا کہ دنیا محض خواب وخیال یا مایا ہے جس کے بارے میں نہ تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہے اور نہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ نہیں ہے

ناگ ارجن نے ایک بات یہ کی کہ ہندو مورتی پوجنے والوں میں جو بہت سے دیوتا تھے ان سب کو وہ بدھ مت میں بھی لے آئے۔ اندر شت منیو، دجر پانی اور شکر بن جاتے ہیں۔ سورگ، تریشتر شس لوک بن جاتا ہے۔ برہما کے گن منجو شری میں ہیں۔ سرسوتی اس کی ایک پتنی ہے اور لکشمی بھی ہے۔ اولوکیشور یا پدم پانی میں وشنو یا پدم نام کے گن ہیں۔ ویرو پاکش شیو کا ایک نام تھا۔ بدھ مت کی کہانی میں وہ ایک راجہ بن جاتے ہیں۔ گنیش وناٹک اور راکشس ونانتک کے روپ میں آتے ہیں۔ سپت ستھاگت سات رشی ہیں۔ اجیت، شاکیا منی اور اولوکیشور بدھ مت والوں کے تین دیوتا ہیں۔ اس طرح بدھ کی پوجا کا

ڈھنگ بھی ناگ ارجن نے ہندوؤں جیسا کر دیا۔

ناگ ارجن ایک ایسے مفکر اور بڑے فلاسفر تھے کہ ان کا نام ہندوستان کے باہر دور دور تک پہونچا۔ قدیم ہندوستان اور چین کے عوام میں میل ملاپ پیدا کرنے اور انھیں ایک دوسرے کے نزدیک لانے میں ناگ ارجن نے قابل ذکر حصہ لیا ہے۔

سمدر گپت

اشوک کے بعد موریہ سلطنت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گئی، اور شمال مغرب کی طرف سے غیر ملکیوں کے حملے ہونے لگے۔ سکندر کے ساتھ آنے والے کچھ یونانی بیکٹیریا میں بس گئے تھے۔ سب سے پہلے یہی یونانی اور ہُن ہندوستان آئے۔ ان کا سب سے بڑا راجہ مننڈر یا ملندر رہا ہے جس نے بدھ دھرم قبول کر لیا تھا۔ یونانیوں کے بعد شک آئے پھر کُشان۔ کشان خاندان کا سب سے بڑا بادشاہ کنشک ہوا ہے۔ وہ بھی بودھ ہو گیا تھا۔ وہ بڑا بہادر تھا۔ اس کی سلطنت پیشاور سے پٹنہ تک پھیلی ہوئی تھی۔

کنشک کے بعد تیسری پیڑھی میں کشان سلطنت کی ایکتا ختم ہو گئی۔ ہندوستان پر پھر سے باہری حملے ہونے لگے۔ کنشک کے کمزور جانشین اس کو روک نہ سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شمالی ہندوستان کی سیاسی ایکتا ختم ہو گئی اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہو گئیں۔ یہ ریاستیں آپس میں لڑتی رہتی تھیں۔

ایسی حالت میں ہندوستان میں گپت خاندان کا عروج تقریباً چوتھی صدی کے شروع میں ہوا۔ شری گپت یا گپت اس خاندان کا پہلا راجہ تھا۔ اس خاندان کا تیسرا بادشاہ چندر گپت اول بڑا طاقت ور ہوا۔ اس نے اپنے ملک کی بہتری کی طرف خاص دھیان دیا اور چند سال بعد ہی یہ دکھائی دینے لگا کہ وہ دن دور نہیں جب سارے ہندوستان میں گپت خاندان کا ڈنکا بجنے لگے گا۔

گپت زمانے کی پتھر پر لکھی ہوئی ایک تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ سمدر گپت کے کئی بھائی

تھے - وہ خود سب سے بڑا نہ تھا - لیکن اس کے پتا نے اس کی خوبیوں سے خوش ہو کر اسے یوراج (ولی عہد) بنایا اور اپنے بعد گپت راج کا راجہ چنا - چندرگپت اول تقریباً ۳۳۵ء میں مرا - اس کے بعد سمدرگپت تخت پر بیٹھا -

ہندوستان کی تاریخ میں سمدرگپت کا نام بڑی عزت سے لیا جاتا ہے - سمدرگپت نے تخت پر بیٹھتے ہی اس بات کو سمجھ لیا تھا کہ جب تک سارے راجہ ایک ہو کر باہری دشمنوں کا مقابلہ نہیں کریں گے تب تک ملک کی حفاظت اور ترقی ناممکن ہے -

کچھ عالموں کا کہنا ہے کہ چندرگپت اول کے بعد اس کے ایک اور لڑکے کاچ نے بھی راج کیا - اس کی وجہ یہ ہے کہ سمدرگپت کے سکّوں سے ملتے جلتے کچھ ایسے سونے کے سکّے بھی ملے ہیں جن پر کاچ کھدا ہوا ہے - اسمتھ کا خیال ہے کہ یہ کاچ نام کا شخص سمدرگپت کا شاید بھائی تھا - مگر اس رائے کو ماننا بڑا مشکل ہے کیونکہ ان سکوں کی پشت پر "سرو راجو چھیتا" کھدا ہوا ہے - لیکن یہ سمدرگپت کا لقب تھا - یہ بھی ممکن ہے کہ سمدرگپت کا پہلا نام "کاچ" رہا ہو اور شادی کے وقت اس نے اپنے خاندانی نام کے مناسبت سے اپنا نام سمدرگپت رکھ لیا ہو - یہ بھی ممکن ہے کہ اپنی عظیم الشان فتوحات کے بعد اس نے اپنا یہ نام رکھا ہو -

سمدرگپت نے سب سے اہم کام یہ کیا کہ ملک کے چھوٹے چھوٹے راجوں کو ملا کر ایک بڑی سلطنت قائم کی - اسی طرح پریاگ اور مگدھ کے بیچ کے گنگا کے کنارے کے علاقے اور ایودھیا کے علاقے کا چھوٹا سا راج پھیل کر بہت بڑی سلطنت بن گیا - تخت پر بیٹھنے کے شاید کچھ ہی دنوں بعد اس نے اپنی زبردست فتوحات کی خوشی میں سارے ملک کا دورہ کیا - اس کی فتوحات کی فہرست پریاگ کے قلعہ میں نصب اشوک کے استمبھ (لاٹ) پر کھدی ہے - جسے پریاگ کا "پرشستی لیکھ" کہتے ہیں -

سب سے پہلے سمدرگپت نے آریہ ورت کی نو ریاستوں کے خلاف لڑائی کی - یہاں کے راجاؤں کو ہرا کر سمدرگپت نے ان کے راج اپنی سلطنت میں شامل کر لئے -

اس کے بعد سمدرگپت جنوب کی طرف بڑھا - مگر دکنا پتھ کے راجاؤں کے خلاف لڑائی ممکن

نہ تھی جب تک کہ "مول" اور دکھنا پتھ کے بیچ کی ریاستوں کو فتح نہ کر لیا جائے۔ ان آٹوک راجوں کے راجاؤں کو بھی سمدر گپت نے فتح کر کے اور اپنے ماتحت کر لیا۔

دکھنا پتھ کی ریاستیں سمدر گپت کی سرحد سے دور تھیں۔ اس لئے ان سے سمدر گپت کو زیادہ خطرہ نہیں تھا۔ پھر بھی سمدر گپت نے انھیں اپنا مطیع بنا لیا مگر ان کی سلطنت نہ چھینی۔ پہلے ان کو شکست دے کر قیدی بنا لیا۔ پھر ان کی ریاستیں ان کو واپس کر دی۔ ایسے راجاؤں کی تعداد ۱۲ تھی۔

سمدر گپت کے ڈر سے سرحدی علاقے کے راجاؤں نے اسے ہر قسم کا ٹیکس دینا منظور کر لیا تھا۔ سمدر گپت کی خدمت میں حاضر ہو کر اسے خوش کرنا ان کا فرض ہو گیا تھا۔ سرحدی علاقوں کے ایسے راجاؤں کی تعداد ۵ تھی۔

ان سرحدی ریاستوں کی طرح ابھی تک کی چند جمہوری حکومتیں بھی تھیں انھوں نے سمدر گپت کی طاقت اور زور کے سامنے جھک جانا ہی مناسب سمجھا۔ یہ راج ایک قسم کے پنچایتی راج تھے۔ جن میں پرانے زمانے کے آزاد قبائل رہتے تھے۔ یہ بہت طاقت ور تھے اور دور دور تک ان کی شہرت تھی۔ پنجاب، راجپوتانہ اور مدھیہ پرانت ان کے خاص مقام تھے۔

اس کے علاوہ کچھ ایسے راج بھی تھے جو شاید ہندوستان کی جغرافیائی سرحد سے باہر تھے سمدر گپت کی بڑھتی ہوئی طاقت کے پیش نظر انھوں نے بھی اس کے ساتھ دوستی کر لی اور دوسرے راجاؤں کی طرح گھٹنے ٹیک دئے اور باج وغیرہ دے کر سمدر گپت کے تابع ہو گئے۔

اس طرح سمدر گپت کی فتوحات سے گپت سلطنت بڑی وسیع ہو گئی۔ سمدر گپت کی سلطنت میں اتر پردیش، بہار اور غالباً مغربی بنگال وغیرہ تو شامل تھے ہی لیکن اس کے ماتحت راجوں کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی۔ مدھیہ بھارت اور مدھیہ پرانت کے آٹوک راجوں، دکھنا پتھ کے سولہ راجیوں، سرحدی صوبوں کے ہارے ہوئے راجاؤں اور پنجاب، راجپوتانہ اور مدھیہ بھارت کی جمہوری حکومتوں کے اوپر بھی اس کی بالادستی قائم ہو گئی۔ اس کے علاوہ سنہل وغیرہ جزیروں پر بھی اس کا پورا اثر تھا۔

سمدر گپت نے لگ بھگ پورا ملک فتح کرنے کے بعد اشومیدھ کیا۔ پرانے زمانے میں جب کوئی راجہ ایک بڑی سلطنت قائم کرتا تھا تو اپنی جیت کا اعلان کرنے کے لئے وہ اشومیدھ یگیہ کیا کرتا تھا۔ فاتح راجہ ایک گھوڑا چھوڑ دیتا تھا۔ وہ گھوڑا ہر علاقے میں جاتا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک بڑی بھاری فوج بھی جاتی تھی۔ اگر کوئی راجہ گھوڑے کو پکڑ لیتا تو اشومیدھ کرنے والا راجہ اس سے لڑائی کر کے اسے ہراتا تھا۔ سمدر گپت سے پہلے ایسا یگیہ کرنے والا راجہ کوئی ایسا نہیں ہوا تھا۔ اس موقعہ پر سمدر گپت نے سونے کے سکّے جاری کئے۔ جن کے ایک طرف اشومیدھ کے گھوڑے کی تصویر اور دوسری طرف سمدر گپت کی رانی کی تصویر اور اشومیدھ پراکم لکھا تھا۔ اس موقعہ پر اس نے بہت سا دان بھی کیا۔

لیکن کسی راجہ کی بڑائی اور شہرت اس کی فتح اور فوجی طاقت سے نہیں ہوتی۔ اشوک کی شہرت اور ہر دلعزیزی کلنگ کی فتح سے اتنی نہیں ہوئی جتنی لڑائی نہ کرنے کے فیصلے سے ہوئی۔ اسی طرح سمدر گپت میں بھی کچھ ایسی خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے اس کا نام ہندوستان کی تاریخ میں امر رہے گا۔ لڑائی میں ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ سمدر گپت ادب، آرٹ، سنگیت وغیرہ کا بڑا اچھا جانکار تھا۔" پریاگ پرشاست "میں لکھا ہے۔ وہ اپنے شاستر کے علم کی وجہ سے دیوتاؤں کے گرو برہسپتی اور سنگیت اور للت کلاؤں میں اپنی مہارت سے نارد اور تمبرو کو بھی شرمندہ کرتا تھا۔

وہ عالموں اور فاضلوں کی عزّت کرتا اور ان کی صحبت میں رہتا تھا۔ اس نے شاعری بھی کی ہے اور کئی طویل نظمیں لکھی ہیں جس کی وجہ سے کوی راج کے لقب سے نوازا گیا تھا۔

سمدر گپت کو سنگیت سے بڑا لگاؤ تھا۔ وینا بجانے میں وہ ماہر تھا۔ یہ بات اس کے زمانے کے سکّوں سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ ان سکّوں پر وینا بجاتے ہوئے سمدر گپت کی تصویر بنی ہے۔

اس کے علاوہ سمدر گپت ودوانوں کی بھی بڑی عزت کیا کرتا تھا۔ اس کے دربار میں شاعر، کلاکار، اور سنگیت کار ہمیشہ عزّت کی جگہ پاتے تھے اور سمدر گپت برابر ان کی حوصلہ افزائی کرتا رہتا تھا۔

سمدرگپت کے زمانے میں لوگوں کو اپنی مرضی کا مذہب اختیار کرنے کی پوری طرح آزادی تھی۔ اس نے بدھ دھرم کی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ کہتے ہیں کہ وسوبندھ نام کے ایک بودھ کو سمدرگپت نے اپنا وزیر بنایا تھا۔ لنکا کے بودھ راجہ کو بھی اس نے بودھ گیا میں ایک وہار بنانے کی اجازت دے دی تھی۔

تاریخ میں گپت خاندان کے زمانے کو سنہری زمانہ کہا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں شمالی ہند ایکتا کے ڈور میں بندھا۔ ملک کا انتظام بڑے اچھے ڈھنگ سے کیا گیا۔ لوگوں کے ساتھ انصاف کیا جاتا تھا۔ لوگ قاعدے قانون پر عمل کرتے تھے۔ گپت راجاؤں نے جنتا کی بھلائی کے لئے کئی کام کئے۔

سمدرگپت نے ہند میں ایکتا قائم کر کے ملک کی ترقی کی نیو رکھی۔ بچپن میں اس کی ذہانت اور ہوشیاری کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ جب وہ راج کمار تھا تب ہی اس نے اپنی بہادری اور ہوشیاری سے سبھی کو خوش کر دیا تھا۔

سمدرگپت نے چالیس پچاس سال تک راج کیا۔ وہ بہت بڑا اور نہایت لایق بادشاہ تھا۔ اس کی شخصیت بڑی متاثر کرنے والی تھی اور اس میں کئی غیر معمولی خوبیاں تھیں۔ سمدرگپت اپنے زمانے کا نہ صرف سب سے بڑا بہادر تھا بلکہ ایک اونچے درجہ کا سیاست داں بھی تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ بہت پڑھا لکھا اور قابل آدمی بھی تھا۔ اسمتھ نے اسے "ہندوستان کا نپولین" کہا ہے۔ اس کی فتوحات کو دیکھتے ہوئے یہ خطاب سمدرگپت کے لئے ہر طرح سے موزوں ہے۔

رمیش نرائن تیواڑی

کمارجیو

ادھر پچھلے کئی برسوں سے ہم لوگ ہندی چینی بھائی بھائی کے نعرے لگا رہے تھے مگر ہم میں سے بہت سے لوگ شاید یہ نہیں جانتے کہ دونوں ملکوں کا یہ بھائی چارہ کم سے کم دو ہزار برسوں سے چلا آرہا ہے۔ بودھ مذہب ہندوستان سے چین گیا اور وہاں ہندوستانی سنسکرتی کا پرچار ہوا۔ اس کا سہرا ان ہندوستانی اور چینی عالموں کے سر ہے جنھوں نے چین میں بودھ دھرم اور ہندوستانی تہذیب کو پھیلایا۔

ایسے ہندوستانی اور چینی سیاحوں اور عالموں میں سب سے پہلا نام کمارجیو کا ہے۔ کمارجیو نے چین میں بودھ دھرم کو پھیلانے کے ساتھ ساتھ دونوں ملکوں میں دوستانہ تعلقات قائم کرنے میں بڑا بھاری حصہ لیا تھا۔ کمارجیو چوتھی صدی عیسوی میں ہوئے تھے۔

کمارجیو کے والد کا نام کماررائن تھا۔ کماررائن ایک اونچے گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ ہندوستان کی کسی ریاست کے دیوان تھے کسی وجہ سے انھوں نے دیوانی چھوڑدی اس کے بعد وہ ہندوستان چھوڑکر کوچی نگر کے لئے چل پڑے۔

کوچی نگر وسط ایشیا میں تارم ندی کے شمال میں بسا ہوا تھا۔ تارم گھاٹی کے دکھن میں کھوتان نگر تھا۔ ان دونوں شہروں سے چین جانے کے راستے تھے۔ دونوں نگر اس وقت بودھ دھرم کے مرکز سمجھے جاتے تھے۔ چینی سیاح فاہیان نے اپنے سفر کا حال لکھتے ہوئے کھوتان اور کوچی نگروں کا بڑا ہی دلچسپ حال لکھا ہے۔

اس زمانے میں سفر کرنا بڑا مشکل تھا۔ پھر ہندوستان سے باہر جانے میں بڑی مشکلات کا

سامنا کرنا پڑتا تھا۔ پل اور سڑکیں نہ تھیں۔ ندی نالوں اور پہاڑوں اور جنگلوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ سفر کرنے میں جو کٹھنائیاں تھیں اِن کو دیکھتے ہوئے کمار راین کا کوچی کا سفر یقیناً بڑی ہمت کا کام تھا۔

کوچی پہنچنے پر کمار راین وہاں کے ایک بودھ ویہار (خانقاہ) میں رہنے لگے۔ آہستہ آہستہ ان کی قابلیت اور عقلمندی کی شہرت ہونے لگی۔ ان کی تعریف سن کر کوچی کے راجہ نے کمار راین سے درخواست کی کہ وہ اس کے دربار میں راج گرو کا عہدہ منظور کریں۔ کمار راین نے کافی سوچ بچار کے بعد راجہ کی بات منظور کرلی۔ اور اس طرح کوچی کے راج گرو کی حیثیت سے ان کا تقرر ہو گیا۔ کوچی کے راج گھرانے کی دیوی نام کی ایک عورت سے ان کی شادی ہوئی۔ کچھ دنوں کے بعد کمار راین کی بیوی کو لڑکا پیدا ہوا۔ یہی لڑکا آگے چل کر کمار جیو نام کا مہان آدمی ہوا۔

کمار جیو کے جنم کے کچھ ہی سال بعد کمار راین کی موت ہوگئی۔ کمار جیو کی والدہ بودھ بھکشونی بن گئیں۔ جب کمار جیو کچھ بڑے ہوئے تو ان کی والدہ انھیں پڑھانے کے لئے کشمیر لے آئیں۔ کشمیر ان دنوں بودھ دھرم کے پیروکاروں کا مرکز تھا۔ وہاں کمار جیو نے بندھودت نام کے ایک کشمیری عالم کے چرنوں میں بیٹھ کر سنسکرت زبان اور بدھ فلسفے کا مطالعہ کیا۔ چند ہی برسوں میں کمار جیو کے علم و فضل کی شہرت دور دور ملکوں میں پھیل گئی، اور مغربی ترکستان کے بہت سے بودھ ان کے پاس آکر بدھ دھرم کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔

کشمیر سے لوٹتے وقت کمار جیو کاشغر گئے۔ وہاں ان کی ملاقات بودھیش سے ہوئی اور جلد ہی دونوں گہرے دوست بن گئے۔ بدھیش اس وقت کاشغر کے راج محل میں رہتے تھے۔ وہ بدھ مذہب کے مانے ہوئے ودوان تھے۔ کمار جیو اور بدھیش نے کچھ بودھ شاستروں کا ساتھ مل کر مطالعہ کیا۔ اس سے کمار جیو کے علم میں اضافہ ہوا۔ یہاں تعلیم ختم کر کے وہ کوچی واپس چلے گئے۔ کوچی کے راجہ کی چین کے راجہ سے ان بن ہوگئی جس کے نتیجہ کے طور پر چینیوں کی ایک بہت بڑی فوج نے کوچی پر حملہ کر دیا۔ کوچی والوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا مگر آخر میں انھیں ہار ماننی پڑی، اور کوچی راج چین کے سلطنت میں ملا لیا گیا۔

اس لڑائی میں چینی فوج نے بہت سے لوگوں کو قیدی بنا لیا تھا۔ ان قیدیوں میں کمار جیو بھی تھے۔
یہ واقعہ ۳۸۳ء میں ہوا تھا۔ ان غلاموں کو چینی اپنے ساتھ لے گئے۔ مگر قیدی بن کر چین پہونچنے سے پہلے
ہی کمار جیو کی شہرت وہاں پہونچ چکی تھی۔

کمار جیو کو موت کی سزا تو نہ دی گئی مگر انھیں چین راج کے لہانگ چو پردیش کے راجیہ پال
دگور نر) کے یہاں اٹھارہ سال تک رہنے کے لئے مجبور ہونا پڑا۔

کمار جیو کے چین پہنچنے کے بعد سے اس ملک میں بدھ دھرم کے پھیلنے کا نیا دور شروع ہوتا
ہے۔ ان کے پہلے کے مترجموں نے بدھ فلسفے کی کتابوں کا چینی زبان میں جو ترجمہ کیا ہے وہ صحیح نہیں
تھا۔ کمار جیو بدھ دھرم کی سبھی باتوں کو اچھی طرح سے جانتے تھے۔ سنسکرت اور چینی زبانوں پر انھیں
پورا عبور تھا۔ اس لئے وہ بدھ دھرم کی کتابوں کا ترجمہ کہیں اچھا کر سکتے تھے۔ وہ بدھ دھرم کی باتوں کو
بھی چینی زبان میں ٹھیک ٹھیک تحریر کرنے میں اپنے سے پہلے کے مترجموں کے مقابلے میں بھی زیادہ کامیاب
ہوئے۔ اس لئے ان کے ترجمے چین میں بہت مقبول ہوئے۔

یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ گوتم بدھ کی موت کے بعد ان کے ماننے والے دو شاخوں میں
بٹ گئے تھے۔ ایک شاخ مہایان اور دوسری شاخ تھرواد (ہین یان) کے نام سے مشہور تھی۔ ان دونوں
شاخوں کی اور بھی کئی شاخیں ہو گئی تھیں۔ کمار جیو مہایان کی ایک ذیلی شاخ "سرواستی واد" کے ماننے
والے تھے۔ انھوں نے سرواستی واد شاخ کی تقریباً سو (۱۰۰) مشہور کتابوں کا چینی زبان میں ترجمہ کیا۔
"ونے پٹک" ان کا پہلا ترجمہ ہے۔ اصل میں یہ مہایان شاخ کی ایک مشہور کتاب "یوگ اچار بھومی شاستر"
کے ایک باب کا ترجمہ ہے۔ کمار جیو سے پہلے دو ہندوستانی بھکشوؤں نے اس کا چینی زبان میں ترجمہ کیا
تھا۔ لیکن ان کے ترجموں میں بہت سی غلطیاں تھیں۔ کمار جیو نے جو ترجمہ کیا وہ اصل کے مطابق تھا۔
اس کے بعد انھوں نے "برہم جال سوتر" نام کی دوسری کتاب سنسکرت زبان سے چینی زبان میں ترجمہ
کی۔ اصل سنسکرت کتاب کا تو اب پتہ نہیں لگتا لیکن چین کے بودھوں نے اس کی بڑی تعریف کی ہے۔
"مہا پرگیا پارمیتا سوتر" کا ترجمہ کمار جیو نے تین سال کی لگاتار محنت کے بعد ختم کیا۔ اسی

سال کمارجیو نے "دلیش بھومی وبھاشا شاستر" کا چینی زبان میں ترجمہ شائع کیا۔ یہ کتاب "دلیش بھومی سوتر" کی تفسیر ہے۔ اپنی موت سے پہلے ہی کمارجیو نے "سوتر النکار شاستر" کا بھی چینی زبان میں ترجمہ کیا۔ یہی نہیں کمارجیو نے چینی میں رائج "تاؤ" مذہب کی باتیں بھی اپنی ایک کتاب میں بتائی ہیں۔

مذہبی کتابوں کے ترجمے کے ساتھ ہی ساتھ کمارجیو بدھ دھرم کے مہایان مذہب کا پرچار تقریروں سے بھی کرتے تھے۔ بہت سے چینی بودھ ان کو اپنا گرو مانتے اور ان کے فیض صحبت کو اپنی خوش نصیبی سمجھتے تھے۔

دو کشمیری عالموں نے کمارجیو کو بودھ مذہب کی کتابوں کو سنسکرت زبان سے چینی زبان میں ترجمہ کرنے میں بڑی مدد دی۔ ان دونوں عالموں کے نام وملاکش اور پنیہ ترات تھے۔ پنیہ ترات چین میں ایک ہی سال رہے مگر وملاکش آٹھ سال تک کمارجیو کے ساتھ بودھ گرنتھوں کا چینی زبان میں ترجمہ کرتے رہے۔

بودھیش کا نام پہلے ہی آچکا ہے۔ جب کاشغر میں انھوں نے یہ سنا کہ قیدی کی صورت میں کمارجیو چین بھیج دئے گئے ہیں تب وہ بہت پریشان ہوئے۔ انھوں نے چین جانے کا فیصلہ کیا۔ پہلے وہ کوچی گئے اور کچھ دن ٹھہر کر چین روانہ ہوئے۔ یہاں کمارجیو کا پتہ معلوم کرنے کے بعد وہ ان کے پاس پہنچے۔ کمارجیو بودھیش کو دیکھ کر خوشی سے پھول اٹھے۔ دونوں دوستوں نے ایک دوسرے کو گلے لگایا۔ بودھیش وہیں رہ کر کمارجیو کے ساتھ بودھ مذہب کی کتابوں کا چینی زبان میں ترجمہ کرنے لگے۔ وہ بدھ دھرم کو پھیلانے میں کمارجیو کا ہاتھ بٹاتے رہے۔

جب تک کمارجیو زندہ رہے تب تک بودھیش چین میں ہی رہے۔ مگر کمارجیو کی موت کے بعد وہ کشمیر لوٹ آئے۔ چین سے ہندوستان لوٹتے وقت چین کے بادشاہ نے انھیں کچھ نذرانہ دینا چاہا مگر بودھیش نے کسی قسم کا کوئی تحفہ نہ لیا۔ انھوں نے چینی بادشاہ سے کہا کہ میں بدھ ہوں اور میرے لئے کسی قسم کا کوئی تحفہ لینا مناسب نہیں۔

کمارجیو مہایان فرقے کے اصولوں کو پھیلانے میں زندگی بھر لگے رہے۔ اپنا ملک چھوڑ کر

غیر ملک میں ہندوستانی تہذیب اور بدھ دھرم کو پھیلاتے ہوئے ان کی موت ہوئی۔ ان کی سیدھی سادھی زندگی کی مثال ہمیں ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میرے کام کو اپنا دمگر میری زندگی کو آدرش نہ مانو۔ کنول کا پھول کیچڑ میں پیدا ہوتا ہے۔ قدر کنول کی کرنی چاہئے کیچڑ کی نہیں چینیوں اور ہندوستانیوں کے بیچ دوستی اور محبت قائم کرنا ہی کمار جیو کی زندگی کا مقصد بن گیا تھا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے میں وہ ساری زندگی لگے رہے۔ ایشیا کے دو بڑے ملکوں چین اور ہندوستان کے درمیان دوستی کا پودا انھوں نے لگایا وہ محنت سے سینچ کر بڑا کیا۔ مگر افسوس کہ چین کے نئے حاکموں نے ہمارے دیش پر حملہ کر کے ان ہزاروں برسوں کی دوستی کا گلا گھونٹ دیا۔

آخر میں ایک بات اور جان لینی چاہئے۔ بھارت سے جتنے عالم یا سیاح چین گئے ان میں سے زیادہ تر کشمیری تھے۔ یہ عالم اور سیاح اس زمانے میں چین گئے جب سفر میں طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ان لوگوں نے چین میں بدھ دھرم کو پھیلایا اور اپنی تہذیب کو وہاں مقبول بنایا پہلی صدی عیسوی میں کشمیری عالموں اور سیاحوں نے وسطی ایشیا اور چین کے ساتھ ہندوستان کا بھائی چارہ قائم کیا تھا۔ اس سلسلے میں کمار جیو کا نام سب سے پہلے آتا ہے۔

رمیش نرائن تیواری

چندر گپت وکرمہ دتیہ

وکرمہ دتیہ کا مطلب ہوتا ہے "سورج کی طرح جاہ وجلال والا" گپت خاندان کا پانچواں بادشاہ چندر گپت سچ مچ ہی سورج کی طرح پرشکوہ اور بڑا بہادر تھا۔ گپت راجاؤں کا زمانہ ہندوستان کی تاریخ میں سنہری زمانہ کہا جاتا ہے۔ سمدر گپت کے بارے میں تم ابھی پڑھ چکے ہو۔ چندر گپت دوم اسی سمدر گپت کا لڑکا تھا۔

چندر گپت دوم ۳۸۰ء میں تخت پر بیٹھا تھا۔ تخت پر بیٹھتے ہی چندر گپت نے باپ کی طرح اپنی سلطنت کو پھیلانے کا ارادہ کیا۔ مالوہ اور گجرات کے راجاؤں کو بھارت سے نکالنے کا فیصلہ وہ بہت پہلے ہی کر چکا تھا۔ اس لئے اس نے پہلا کام یہی کیا کہ ان دونوں پر حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگا۔

چندر گپت بڑا سمجھدار اور سیاست داں تھا۔ اس کی سلطنت کے جنوب میں اور مالوہ اور گجرات کے پورب میں واکاٹک خاندان کے راجہ رُدرسین دوم کی سلطنت تھی۔ یہاں کا راجہ بہت طاقت ور تھا۔ چندر گپت نے دیکھا کہ اگر وہ واکاٹک سے سمجھوتہ کئے بغیر مالوہ اور گجرات پر حملہ کرے گا تو واکاٹک بادشاہ بیچ میں دخل انداز ہو سکتا ہے۔ اس لئے چندر گپت نے پہلے وہاں کے راجہ سے دوستی کرنا ضروری سمجھا۔ اس نے اپنی لڑکی پربھاوتی کی شادی رُدرسین سے کر دی۔ اب واکاٹک راجہ رُدرسین کا رشتہ دار اور دوست بن گیا۔ اس کے بعد بے خوف ہو کر چندر گپت نے مالوہ اور گجرات پر چڑھائی کی۔ اس نے دونوں جگہوں کے شک راجاؤں کو لڑائی میں بری طرح ہرایا۔ اس طرح بھارت کے ایک حصے پر کئی صدیوں سے حکومت کرنے والے غیر ملکی

بادشاہوں کو اس نے ملک سے نکال باہر کیا۔

دہلی میں مہرولی نام کی جگہ پر قطب مینار کے پاس لوہے کی ایک لاٹ ہے۔ اس پر کھدی ہوئی عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ چندر نام کے ایک راجہ نے بنگال کے کئی راجاؤں کو ہرایا اور اس کے بعد پچھم میں سندھ ندی کو پار کر کے افغانستان اور ہندوکش پہاڑ کے اس پار والہیک (بیکٹریا) کے بادشاہ کو بھی ہرایا تھا۔ تاریخ میں جو ثبوت ملتے ہیں ان کی بنیاد پر یہ مانا جا سکتا ہے کہ مشرق میں بنگال تک ادھر مغرب میں والہیک تک فتح کا ڈنکا بجانے والا چندر نام کا یہ راجہ گپت خاندان کا چندر گپت وکرما دتیہ تھا۔

چندر گپت نے بنگال، مالوہ، گجرات اور سوراشٹر کے علاقوں کو اپنے راج میں ملا لیا۔ بنگال اس وقت کا سب سے زیادہ زرخیز علاقہ تھا۔ بنگال کے مل جانے سے گپت راج میں دھن دولت کی کمی نہ رہی۔

ادھر مالوہ، گجرات سوراشٹر پر قبضہ ہونے سے عرب ساگر کا بیوپار بھی اس کے ہاتھ آ گیا۔ یہاں کے بندرگاہوں سے غیر ملکوں کو مال جاتا اور بیوپاری روپیہ کما کر لاتے تھے۔ مالوہ کی راج دھانی اجین کو اس نے اپنی دوسری راج دھانی بنایا۔ اصلی راج دھانی پاٹلی پتر میں ہی رہی۔

چندر گپت کا راج اس وجہ سے بھی مشہور ہے کہ اس کے زمانے میں فاہیان نام کا ایک مشہور چینی سیّاح ہندوستان آیا تھا۔ وہ ۱۵ سال یہاں رہا۔ ان میں سے ۱۰ سال اس نے چندر گپت کے راج کی سیر کرنے میں گزارے۔ فاہیان بدھ بھکشو تھا اور بدھ دھرم کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے لئے چین سے پیدل چل کر یہاں آیا تھا۔ اس نے گوبی کا ریگستان پار کیا اور پشاور ہوتا ہوا ہندوستان پہنچا۔ وہ پشاور سے پنجاب اور پنجاب سے متھرا، کاشی سنکاشیہ، قنوج، شراوستی کشی نگر، ویشالی وغیرہ گھومتا ہوا پاٹلی پتر پہنچا۔ پاٹلی پتر میں وہ تین سال تک رہا اور یہاں اس نے سنسکرت زبان کا مطالعہ کیا۔

فاہیان نے اپنا سفرنامہ لکھا ہے اس نے چندر گپت کے وقت کے ہندوستان کے سماجی، سیاسی اور مذہبی حالت پر اچھی روشنی پڑتی ہے۔ یہاں کی باتیں فاہیان کی کتاب" فو۔کیو۔ کی " میں لکھی ہوئی ہیں۔

فاہیان کے مطابق چندر گپت کے راج میں برہمن دھرم کا زور تھا۔ چندر گپت خود وشنو دھرم کا ماننے والا تھا۔ لیکن بدھ اور دوسرے دھرم کے ماننے والوں کو اپنا اپنا دھرم ماننے کی پوری پوری آزادی تھی۔ خود چندر گپت کے دو وزیر ایسے تھے جن میں سے ایک شیو دھرم کا ماننے والا اور دوسرا بدھ دھرم کا ماننے والا تھا۔ لوگ گوشت یا شراب کا استعمال نہیں کرتے تھے اور اس کی دکانیں شہروں میں نظر نہیں آتی تھیں۔ اہنسا کا بول بالا تھا۔ چنڈال ذات کے لوگوں کو شہر سے باہر رکھا جاتا تھا اور انھیں اچھوت مانا جاتا تھا۔ شہر میں گھسنے سے پہلے چنڈالوں کو لکڑی بجا کر اپنے آنے کی خبر دینی پڑتی تھی تاکہ لوگ ہوشیار ہو جائیں اور اسے غلطی سے چھو نہ بیٹھیں۔

خود بادشاہ چندر گپت وشنو دھرم کا ماننے والا تھا اس لئے راج میں ہندو دھرم کا بول بالا تھا۔ بدھ دھرم کا زوال ہوتا جا رہا تھا۔ اس وقت صرف پنجاب اور بنگال میں بدھ دھرم کا زور تھا۔ فاہیان نے یہ بالکل صاف لکھا ہے کہ حکومت کی طرف سے کسی قسم کا مذہبی بھید بھاؤ نہیں برتا جاتا تھا۔ چندر گپت کی سیاست اور انتظام حکومت کے بارے میں فاہیان نے جو کچھ لکھا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ حکومت بڑی انصاف ور اور اچھی تھی۔

لوگوں پر زیادہ ٹیکس نہیں لگایا جاتا تھا اور جنتا بڑی خوش اور سکھی تھی۔ ہر آدمی کو اپنی مرضی کے مطابق کوئی بھی پیشہ اختیار کرنے کی پوری آزادی تھی۔ فاہیان نے چین میں فوجداری کے جیسے سخت قانون دیکھے تھے۔ ویسے سخت قانون اسے چندر گپت کی سلطنت میں نظر نہ آئے۔ بڑے سے بڑے گناہ پر بھی کسی کو سزائے موت نہیں ملتی تھی، اور ملک سے غداری جیسے جرم کی کڑی سے کڑی سزا یہ ہوتی تھی کہ غدار کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ قیدیوں کا تو نام ونشان نہیں تھا۔

نھفاہیان نے لکھا ہے کہ میں بہت بار بڑی قیمتی چیزیں اور کتابیں لے کر اکیلا ہی ویران سڑکوں اور جنگلوں سے گزرا لیکن اسے کبھی کسی نے تنگ نہیں کیا اور نہ مجھے کبھی راہزنی کا کھٹکا ہونا پڑا۔

پاٹلی پتر میں فاہیان تین سال تک ٹھہرا تھا۔ اس نے شہر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اشوک کا بنوایا ہوا راج محل اتنا خوبصورت تھا کہ اسے دیکھ کر دانتوں تلے انگلی دبانی پڑتی تھی۔ ایسے لگتا تھا کہ یہ محل آدمیوں نے نہیں بلکہ دیوتاؤں نے بنوایا ہو۔ اس نے لکھا ہے کہ مگدھ راجیہ میں کئی خوبصورت شہر تھے جہاں مسافروں کے ٹھہرنے کے لئے دھرم شالائیں بنی ہوئی تھیں۔ امیر لوگ اسپتال کھلواتے اور انھیں چلانے کا سارا خرچ خود اٹھاتے تھے۔ ان اسپتالوں میں غریب بیماروں کو دوا اور غذا مفت ملتی تھی۔

فاہیان کا بیان کافی حد تک ٹھیک ہوتے ہوئے بھی کچھ حد تک غلط بھی ہے۔ اس کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ چندر گپت کی سلطنت میں گوشت یا شراب کی دکانیں نہیں تھیں یا لوگ ان کو استعمال نہیں کرتے تھے۔ کالی داس کے ڈراموں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ لوگ گوشت اور شراب دونوں کو استعمال کرتے تھے اور انھیں بری چیز نہیں سمجھا جاتا تھا۔ فاہیان کا یہ کہنا ٹھیک ہے کہ راجیہ میں مکمل طور سے امن چین تھا اور حکومت کا انتظام اتنا اچھا تھا کہ چوری، ڈکیتی اور قتل جیسے جرائم نام کے لئے بھی نہیں ہوتے تھے۔ مسافروں کو راستے میں لٹنے کا ڈر نہیں تھا۔ لوگوں کا چال چلن بہت اچھا تھا لوگ سچ بولتے تھے اور ایمانداری پر خاص زور دیتے تھے۔

گپت بادشاہوں نے سونے، چاندی اور تانبے کے سکّے جاری کئے تھے۔ چندر گپت وکرم دتیہ کے وقت کی کئی سونے کے سکّے مالوہ اور پچھمی بھارت کے کچھ دوسرے مقاموں پر ملے ہیں۔

چندر گپت صرف بہادر اور فاتح اعظم ہی نہیں تھا بلکہ عالم اور اچھا منتظم بھی تھا۔ اس کے راجیہ میں کئی عالم، شاعر اور ودّیا پریمی رہتے تھے۔ ان کے نورتن تو تاریخ میں مشہور ہیں۔ کالی داس کا نام بھلا ہم میں سے کون نہیں جانتا۔ یہ مہاکوی چندر گپت کے نورتنوں میں سے ایک تھے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ امر کوش کے مصنف اور طبیب اعظم دھنونتری بھی

چندر گپت کے زمانہ میں ہی ہوئے۔

چندر گپت بڑا ہی مذہبی اور علم و ادب کا شائق تھا۔ وہ عالموں اور اچھے آدمیوں کی عزت کرنے والا اور جنتا کی سیوا اور ان کے سکھ دکھ کی فکر نے والا راجہ تھا۔ چندر گپت نے وکرم دتیہ کے علاوہ وکرمانک" نریندر چندر" سینہہ وکرم " سینہہ چندر" وغیرہ تخلص بھی اختیار کیا تھا۔

چندر گپت نے ہندوستان کی سرزمین کو رہے سہے غیر ملکی بادشاہوں سے نجات دلانے کے بعد پورے انتالیس ۳۹ سال تک امن و چین کے ساتھ راج کیا۔ گپت خاندان کے اس مشہور بادشاہ کی ۴۱۴ء میں موت ہوئی۔ اس کے بعد اس کا لڑکا کمار گپت تخت پر بیٹھا۔

پریاگ نرائن ترپاٹھی

کالی داس

آپ نے سنسکرت کے مہاکوی کالی داس کا نام ضرور سنا ہوگا۔ ان کے لکھے ہوئے ناٹک "ابھی گیان شاکنتلم"، "مالویکا گنی مترم" اور "وکرم اروشی" نہ صرف ہمارے ملک میں بلکہ سارے جہان میں مشہور ہیں۔ ابھی گیان شاکنتلم کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ کاویوں میں ناٹک کا درجہ بلند ہے اور ناٹکوں میں شکنتلا ناٹک کا۔

کالی داس نے "میگھ دوت" "کمار سمبھو" اور "رگھو ونش" نام کی طویل نظمیں (کاویہ) لکھی ہیں۔ کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ "رتو سمہار" نام کا کاویہ بھی کالی داس نے ہی لکھا ہے۔ کالی داس کو ان کی لاثانی نظموں کی وجہ سے "سکل کوی شیرومنی" (شاعروں کا سرتاج)، "کوی کل گرو" (شاعروں کا گرو) کے خطابوں سے نوازا گیا ہے۔

کالی داس کی شاعری کی سب سے پہلی خصوصیت تو یہ ہے کہ انھوں نے اس وقت کے سبھی مروج طرزوں میں کامیابی سے نظمیں لکھی ہیں۔ انھوں نے "ابھی گیان شاکنتلم" جیسا ناٹک بھی لکھا۔ "رگھو ونش اور کمار سمبھو" جیسے مہاکاویہ بھی لکھے اور "میگھ دوت" جیسی غنائیہ نظم لکھی۔

کالی داس کی دوسری خصوصیت ان کی آسان اور خوبصورت زبان تھی۔ سنسکرت میں عام طور پر مشکل جوڑ اور مرکب لفظ آنے سے زبان کی مٹھاس ختم ہو جاتی ہے۔ کالی داس نے ایسے مشکل الفاظ سے اپنی زبان کو بچایا۔ انھوں نے مشکل مضامین یا پیچیدہ خیالات کو بھی آسان اور دلچسپ زبان میں لکھا۔

کالی داس کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ انھیں اظہار بیان پر بڑی قدرت ہے اور

تقریباً ہر طرح کے واقعات اور جذبات کو وہ بڑی کامیابی سے نظم کرتے ہیں۔ عشق و محبت کے واقعات کو بیان کرنے میں تو انھیں کمال حاصل ہی ہے مگر ان کے شعروں میں غم گینی اور اداسی اور بہادری و شجاعت کے جذبات کے اچھے نمونے بھی ملتے ہیں۔ وکرم اروشی کے چوتھے باب میں، شکنتلا کے چھٹے باب میں ، رگھوونس کے آٹھویں باب میں اور کمار سمبھو کے چوتھے کانڑ میں غم گینی و اداسی کے جذبات بڑے اچھی طرح خوبصورت انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔ شجاعت اور بہادری کے جذبات کا اظہار بھی رگھوونس کے تیسرے کانڑ میں اندر اور رگھو کی لڑائی کا حال بیان کرتے ہوتے بہت اچھے ڈھنگ سے ہوا ہے۔

کالی داس کی شاعری کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ انھیں استعاروں اور تشبیہوں کے استعمال پر پورا پورا عبور حاصل ہے اور اس میدان میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ کہا بھی یہی جاتا ہے۔ " اپما کالی داسیہ " یعنی تشبیہوں کے استعمال میں کالی داس کا کوئی ثانی نہیں۔ اس کی وجہ تو کالی داس کا نام ہی " دیپ شکھا کالی داس " پڑ گیا۔ اس کی ایک مثال نیچے دی گئی ہے جس اشلوک میں اس تشبیہہ کو استعمال کیا گیا ہے وہ رگھوونس میں اندومتی کے سویمبر کے سلسلے میں ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

سنچارنی دیپ شکھیو را تر وَی
یَم یَم ویتیایئے پتم ورا سا
نر بیندر مارگ اٹ الیو پرپیدے
وِوَران بھاوم ساسا بھومی پالہ

یعنی رات کے وقت جلتے ہوئے چراغ کی لَو سڑک کے جس جس حصے کے آگے سے نکلتی جاتی ہے وہاں اندھیرا چھاتا جاتا ہے۔ ویسے ہی اندومتی جن جن شہزادوں کے پاس سے ہو کر آگے چلی جاتی تھی ان کے چہرے کا رنگ اڑتا جاتا تھا۔

کالی داس کے کارناموں میں واقعات اور چیزوں کا ذکر بھی بہت اچھے طریقہ سے ہوا ہے۔

ان کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے جیسے کسی واقعہ کی ایک سچی اور ہو بہو تصویر آنکھوں کے سامنے آگئی۔ ہرن کو جنگل کے کنارے بھاگتے ہوئے سب نے دیکھا ہوگا مگر کالی داس نے شکنتلا میں اس منظر کو کتنی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ "یہ ہرن اپنی خوبصورت گردن کو موڑ کر بار بار رتھ کی طرف دیکھتا ہوا آگے بھاگتا جا رہا ہے۔ تیر کے ڈر سے اس کا پچھلا آدھا جسم مانو جسم کے اگلے آدھے حصے میں گھس جانا چاہتا ہے۔ دوڑنے میں ہرن کو جو زور لگانا پڑ رہا ہے اس سے اس کا منہ کھل گیا ہے اور اس میں سے چبائی ہوئی گھاس راستے پر بکھرتی جا رہی ہے۔ لمبی لمبی چھلانگیں مارتا ہوا یہ ہرن زمین پر کم اور آسمان پر زیادہ جا رہا ہے۔"

ہندوستان کے جغرافیائی حالات، آب وہوا، پرندوں اور جانوروں، درختوں اور پودوں، پھولوں اور پھلوں کا ذکر بھی ان کی نظموں میں ملتا ہے جس سے اس وقت کے حالات کا علم ہوتا ہے۔ اپنے زمانے کے سیاسی اور سماجی حالات کا بھی کالی داس نے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ فنون لطیفہ میں بھی کوی کالی داس کو کافی دخل معلوم ہوتا ہے۔ کالی داس نے سنگیت، ناچ، کلا کا ذکر جہاں کہیں بھی کیا ہے بڑی فن کاری سے کیا ہے۔ کالی داس مذہب فلسفہ اور مذہبی خیالات سے بھی پوری طرح سے واقف تھے۔

کالی داس کی زندگی کے حالات تفصیل سے نہیں ملتے۔ کچھ لوگوں کی رائے میں وہ راجہ بھوج کے دربار کے نو رتنوں میں سے ایک "رتن" تھے۔ کچھ دوسرے لوگ انھیں چندر گپت دوم وکرمادتیہ (چوتھی یا پانچویں صدی عیسوی) کے دربار کے نو رتنوں میں مانتے ہیں۔ کچھ لوگ ان کا جنم مدھیہ پردیش کے رام ٹیک نام کا گاؤں بتاتے ہیں۔ کچھ اجین یا اونتی کو اور کچھ کشمیر کو ان کا جنم ستھان مانتے ہیں۔ کچھ لوگ انھیں بنگال اور کچھ دکھن کا کہتے ہیں۔ بہر حال اس جھگڑے میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ وہ ہندوستان کے تھے۔

کالی داس کے بارے میں طرح طرح کی کہانیاں بھی کہی جاتی ہیں۔ یہ کہانیاں سچ ہی ہوں ایسی بات نہیں۔ مگر ان سے آپ کو کچھ نہ کچھ سبق ضرور ملے گا۔ اسی طرح کی ایک کہانی

نیچے دی جا رہی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ کالی داس کا جنم ایک معمولی گھرانے میں ہوا تھا۔ انھیں کسی قسم کی تعلیم نہیں ملی تھی۔ ایک بار وہ ایک جنگل میں ایک درخت کی اسی ڈال کو کاٹ رہے تھے جس پر وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی وقت اس جگہ سے کچھ پنڈت گزرے۔ یہ وہ پنڈت تھے جو پاس کے شہر میں ودیاتما نام کی ایک راج کماری سے شاستر ارتھ (شاستر کا مطلب بتانے کا مقابلہ) میں ہار کر لوٹے تھے۔ جلن کی وجہ سے انھوں نے سوچا کہ بے وقوف لکڑہارے کو لے جا کر اس راج کماری کو نیچا دکھایا جائے۔ بس انھوں نے کالی داس سے نیچے اتر آنے کو کہا۔ پھر انھوں نے سمجھایا کہ جیسا وہ کہیں ویسا کرنے پر وہ اسے مالا مال کر دیں گے۔ کالی داس ان پنڈتوں کی بات مان گئے۔ پنڈتوں نے کہا تم نگر میں پہنچ کر اپنا منہ بند رکھنا، سب باتیں اشاروں سے کرنا۔

شہر پہنچ کر پنڈتوں نے ودیوتما سے جس سے وہ بازی میں ہار چکے تھے کہا یہ بڑے ہی ودوان آدمی ہیں۔ مگر انھوں نے خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔ اس لئے یہ اشارے سے آپ کے سوالوں کا جواب دیں گے۔

ودیوتما نے یہ بات مان لی اور انگلی اوپر اٹھائی جس کا مطلب تھا کہ ایشور ایک ہے۔ مگر کالی داس نے سمجھا کہ وہ انگلی اٹھا کر ان کی آنکھ پھوڑنا چاہتی ہے۔ بس پھر کیا تھا۔ فوراً کالی داس نے دو انگلیاں دکھائیں جس کا مطلب تھا کہ وہ دونوں آنکھیں پھوڑ دیں گے۔ لیکن پنڈتوں نے یہ مطلب بتایا کہ ایشور ایک ہوتے ہوئے بھی اس کی ظاہر نرگن اور سگن دو شکلیں ہیں۔ تب ودیوتما نے پانچ انگلیاں دکھائیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ دنیا میں پانچ عناصر ہیں۔ پر کالی داس نے سمجھا کہ انھیں طمانچہ مارنے کو پانچوں انگلیاں اٹھائی گئی ہیں۔ تو انھوں نے گھونسا تان کر دکھایا پنڈتوں نے اس کا مطلب یہ بتایا کہ اگرچہ دنیا میں پانچ عناصر ہیں مگر ان کے ملنے سے ہی دنیا بنی ہے۔ اس پر ودیوتما کو کالی داس سے شادی کرنا پڑی کیونکہ وہ وعدہ کر چکی تھی کہ جس سے وہ شاستر ارتھ میں ہار جائے گی اسی سے شادی کر لے گی۔ رات ہوئی

کالی داس اور ودیوتما نے مکان کے باہر ایک اونٹ کو بولتے ہوئے سنا۔ ودیوتما نے پوچھا کہ یہ کس جانور کی آواز ہے؟ کالی داس نے جواب میں کہا، اٹرا اٹر یعنی اونٹ اونٹ۔ اونٹ کو سنسکرت میں اُوشٹر کہا جاتا ہے۔ کالی داس کی جہالت کو دیکھ کر ودیوتما کو پنڈتوں کی سازش سمجھ میں آگئی اس نے کالی داس کو یہ کہہ کر گھر سے نکال دیا کہ جب تک آپ مجھ سے زیادہ ودوان بن کر نہ لوٹیں گے تب تک آپ کو میرے پاس اس گھر میں رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہوگا۔

اس بے عزتی سے دکھی کالی داس نے کالی کے مندر میں بڑی زبردست تپسیا کی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی تپسیا سے خوش ہو کر کالی نے انھیں علم کا بر دان دیا۔ تبھی سے انھوں نے اپنا نام کالی داس رکھ لیا۔ ودیا کا وردان پا کر کالی داس واپس لوٹے اور ان کا خیر مقدم کیا گیا۔ یہ کہانی تو غلط معلوم ہوتی ہے کیونکہ بغیر پڑھے بھلا آپ کو ودیا کیسے آسکتی ہے۔ ہاں اس کہانی کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ وہ بہت ذہین تھے مگر پڑھنے لکھنے کا نہ تو انھیں کوئی موقع ملا تھا اور نہ ہی کسی نے حوصلہ افزائی کی تھی۔ اب حوصلہ افزائی ملنے سے موقع بھی مل گیا اور وہ بہت جلد پڑھ لکھ گئے۔

کالی داس کے ناٹکوں اور نظموں کا ترجمہ دنیا کی کئی زبانوں میں کیا جا چکا ہے۔ جرمنی کے مشہور شاعر گیٹے نے کالی داس کی تعریف میں کہا تھا کہ اگر تم نوجوانی کے پھول اور جوانی کے پھل اور دوسری ایسی چیزیں جن سے آتما متاثر ہوتی ہو اور سکون ملے ایک ہی جگہ پر ڈھونڈنا چاہو اور اگر تم دنیا اور جنت دونوں کو ایک جگہ دیکھنا چاہو تو میں تمہیں ایک ہی لفظ میں جواب دیتا ہوں کہ وہ شکنتلا ہے۔

امید ہے کہ بڑے ہو کر آپ سب ضرور ہی مہا کوی کالی داس کے ناٹکوں اور نظموں کو پڑھیں گے اور اس عظیم شاعر کے قلم کا معجزہ دیکھیں گے۔

جگدیش گوئل

بھارت میں ہرش یا ہرش وردھن نام کا ایک بڑا پرتاپی بادشاہ ہوا ہے۔ اس کی سلطنت سارے شمالی ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی فوجوں نے مغرب میں گنجم سے لے کر مشرق میں ولبھی تک اور شمال میں ہمالیہ سے لے کر جنوب میں نربدا تک کے سارے علاقہ کو روند ڈالا تھا۔ کام روپ (جسے اب آسام کہتے ہیں) کا راجہ ہرش کا دوست تھا۔ وہ ہرش کی طاقت کا لوہا مانتا تھا اور اس کی کوئی بات نہیں ٹالتا تھا۔ ہرش نے جنوبی ہند کو بھی فتح کرنا چاہا تھا لیکن اس میں اسے کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

ہرش کے والد کا نام پربھاکر وردھن تھا۔ پربھاکر وردھن کا راج چھوٹا تھا۔ دہلی سے کچھ میل اتر پچھم میں کروکشیتر کا میدان ہے۔ کہتے ہیں کہ اس جگہ مہابھارت کی لڑائی ہوئی تھی اور پانڈوؤں نے کوروؤں کو شکست دی تھی اس کروکشیتر کے آس پاس کے علاقے میں پربھاکر وردھن کی حکومت تھی۔ تھانیسور اس راج کی راجدھانی تھی۔ پربھاکر وردھن کے لئے چین سے راج کرنا مشکل تھا کیونکہ ملک کے اتر پچھم کی طرف سے برابر ہنوں کے حملے ہوتے رہتے تھے۔

لیکن پربھاکر وردھن بڑا سمجھدار تھا۔ اس نے ایک طرف تو اپنی حکومت کو مضبوط بنانے کی کوششیں کیں اور دوسری طرف ہنوں کو روکنے کے لئے اپنے دونوں بیٹوں کو بھیج دیا۔ بڑے بھائی کا نام راج وردھن اور چھوٹے کا ہرش وردھن تھا۔ ایک بار دونوں بھائی ہنوں کا پیچھا کر رہے تھے کہ خبر ملی کی سمراٹ پربھاکر وردھن بیمار ہیں دونوں بھائیوں نے طے کیا کہ بڑا بھائی تو ہنوں مقابلہ کرتا رہے اور چھوٹا بھائی پتا کی دیکھ بھال کے لئے گھر لوٹ جائے۔ ہرش وردھن کو پہنچتے

ہی والد کی موت کی خبر ملی۔ سارے راج میں ماتم چھا گیا۔ مگر ہرش نے بڑے حوصلے اور ہوشیاری سے کام لیا اور سلطنت میں کسی قسم کی گڑبڑی نہ پیدا ہونے دی۔

جب راج وردھن ہُنوں پر فتح پا کر واپس لوٹا تو دونوں بھائی بڑی محبت سے ملے۔ چھوٹے بھائی نے راج کی باگ ڈور بڑے بھائی راج وردھن کو سونپ دی۔

مگر راج وردھن کی قسمت میں سکھ نہیں تھا۔ قنوج کے راجہ گرہ ورمن کے ساتھ اس کی چھوٹی بہن راج شری کی شادی ہوئی تھی۔ ایک دن خبر ملی کہ مالوہ کے راجہ دیو گپت نے گرہ ورمن کو لڑائی میں مار ڈالا ہے اور راج شری کو قید کر لیا ہے۔

راج وردھن نے مالوہ کے راجہ سے بدلہ لینے کے لئے فوراً کوچ کیا۔ لڑائی میں مالوہ کے راجہ کی ہار ہوئی۔ اس نے صلح کرنے کی خواہش کی جسے راج وردھن نے منظور کر لیا مگر گوڑ دیش کا راجہ شنشاک مالوہ کے راجہ کا دوست تھا۔ شنشاک نے اسی دوران میں حیلے سے کام لیا۔ اس نے راج وردھن کو اکیلی جگہ میں بلا کر قتل کروا دیا۔ راج شری کسی طرح بھاگ نکلی اور جنگلوں میں بھٹکنے لگی۔

راج وردھن کی موت کے وقت ہرش کی عمر صرف ۱۶ سال کی تھی۔ اس کچی عمر میں ہی پورے راج کا بار اس کے کندھوں پر آن پڑا۔ لیکن ہرش گھبرایا نہیں۔ اپنے بھائی کے قتل کا بدلا لینے کے لئے اس نے فوراً ہی ایک فوج اکٹھی کی اور مالوہ پر حملہ کر دیا اور اس لڑائی میں مالوہ کے راجہ دیو گپت اور گوڑ دیش کے راجہ شنشاک دونوں کو بری طرح شکست دی۔

بھائی کی موت کا بدلا لینے کے بعد وہ اپنی بہن راج شری کی تلاش میں نکلا۔ راج شری کسی طرح بھاگتی بھاگتی وندیا پہاڑ کے جنگلوں میں پہنچ گئی تھی۔ اپنے خاوند اور بھائی ان دونوں کی موت سے وہ یوں ہی بہت دکھی تھی۔ وہ سوچنے لگی کہ میں بڑی بدقسمت ہوں۔ میری وجہ سے پہلے میرے خاوند کی اور بعد میں میرے بھائی کی موت ہوئی۔ راج شری کو اب آگ میں جل کر ستی ہو جانے کے علاوہ اور کوئی چارہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

اپنی بہن کو ڈھونڈھتا ہوا ہرش جس وقت وندھیا کے جنگلوں میں پہنچا اس وقت اس کی بہن چتا میں کودنے کو تیار تھی۔ ہرش نے زور سے چلّا کر اسے روکا اور دوڑ کر چتا سے دور کھینچ لیا۔ راج شری دکھوں سے سوکھ کر کانٹا ہو گئی تھی۔ اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ بھگوان اس کے بھائی ہرش کو اس کی مدد کے لئے بھیج دیں گے۔ ہرش نے بہن کو گلے سے لگا لیا۔ اس کے بعد راج شری برابر ہرش کے ساتھ رہی۔

ہرش اپنے دشمنوں کا خاتمہ کر کے اور اپنی بہن کو ساتھ لے کر تھانیسور پہنچا۔ کچھ دنوں بعد قنوج کی جنتا کے کہنے پر اس نے قنوج کو بھی اپنے راج میں شامل کر لیا۔ اس نے تھانیسور کے ساتھ ساتھ قنوج کو بھی اپنے راج کی دوسری راجدھانی بنا لیا۔

اس کے بعد ہرش اپنی سلطنت کو بڑھانے کی فکر میں لگا۔ اس نے ہاتھیوں، رتھوں اور پیدل سپاہیوں کی ایک بہت بڑی فوج بنائی اور لگ بھگ چھ سال تک لڑائی کرتا رہا۔ اس نے کئی راج جیتے۔ پنجاب، بنگال، قنوج، متھلا (دربھنگہ) اور اڑیسہ اس کے سامراج کا حصہ بن گئے۔ دکھن میں اس کا راج وندھیا پہاڑ تک پھیل گیا۔ شروع میں ہی یہ بتایا جا چکا ہے کہ ہرش نے دکھن بھارت کو فتح کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وندھیا پہاڑ کو پار کرنے کے بعد اس کی لڑائی چالوکیہ خاندان کے طاقتور راجہ پولکیسین دوئم سے ہوئی۔ اس لڑائی میں ہرش کو شکست ہوئی۔ اس ہار کے بعد ہرش نے دکھن کو جیتنے کا ارادہ چھوڑ دیا، اور اپنے لمبے چوڑے راج کا سدھار کرنے میں لگ گیا۔

ہرش ۶۰۶ء میں تخت پر بیٹھا تھا اور ۴۲ سال تک راج کرتا رہا۔ یہ زمانہ ہند کی تاریخ میں بڑا شاندار زمانہ تھا۔ ہرش نے بھی سمراٹ اشوک کی طرح سارے اتری بھارت میں ایکتا قائم کی۔ ادبی اور تہذیبی لحاظ سے بھی ملک کی بڑی ترقی ہوئی۔ ہرش سے پہلے کے زمانے کا حال ہمیں پوری طرح معلوم نہیں۔ لیکن ہرش کے درباری کوی بان نے ہرش چرتر نام کی ایک کتاب لکھی ہے جس میں سمراٹ ہرش کی زندگی اور اس

زمانے کے حالات کی جھلک ملتی ہے۔ اس کے علاوہ مشہور چینی سیاح ہوان سانگ بھی ہرش کے زمانے میں ہندوستان آیا تھا۔

ہوان سانگ بودھ بھکشو تھا۔ وہ ۲۹ سال کی عمر میں بودھ گرنتھوں کی تلاش میں چین سے ہندوستان کے لئے روانہ ہوا۔ وہ ہندوستان کی مشہور یونیورسٹی نالندہ میں بھی کافی عرصہ تک رہا۔ اس نے لکھا ہے کہ ملک میں برہمن دھرم اور بدھ دھرم دونوں کے ماننے والے لوگ تھے مگر ملک کے کافی حصوں میں بدھ دھرم آہستہ آہستہ کم ہو چلا تھا۔ سمراٹ ہرش خود بدھ دھرم کو مانتا تھا۔ لیکن وہ شیو اور سوریہ کی پوجا کرتا تھا۔ ملک کا انتظام بہت اچھا تھا اور عالموں کی بڑی عزت کی جاتی تھی۔ لوگوں کا اخلاق بڑا اونچا تھا۔ کسی کو کسی طرح کا خطرہ نہیں تھا۔ ہر جگہ امن و چین تھا اور مسافروں کے لئے بھی کسی طرح کا خطرہ نہیں تھا۔ نالندہ کا نام دور دور تک مشہور تھا۔ یہاں دس ہزار سے زیادہ طالب علم تھے۔ لوگ غیر ممالک سے یہاں تعلیم حاصل کرنے آتے تھے۔

ہرش نے قنوج میں ایک بڑا جلسہ کیا تھا جس میں ہر مذہب کے ماننے والے شریک ہوئے تھے۔ اس وقت ہوان سانگ بھی موجود تھا۔ جلسہ میں بھارت بھر کے ودوان اکٹھے ہوئے۔ پانچ دن تک شاستر ارتھ ہوا جس میں ہوان سانگ نے سب عالموں کو شکست دی۔ ہوان سانگ کی جیت سے بہت سے لوگ چڑھ گئے اور اسے قتل کرنے کی سازش کرنے لگے۔ جب ہرش کو یہ خبر ملی تو اس نے اعلان کرا دیا کہ اگر کسی نے ہوان سانگ کا بال بھی بیکا کرنے کی کوشش کی تو اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔ اس کے بعد جلسے کی کارروائی امن چین سے جاری رہی۔

ہرش نے ہوان سانگ سے کہا کہ آپ ہندوستان ہی میں رہ جائیں مگر وہ اس کے لئے راضی نہیں ہوا۔ تب ہرش نے ہوان سانگ کی واپسی کا انتظام کر دیا تاکہ اسے کوئی تکلیف نہ ہو۔ پھر بڑی محبت سے رخصت کیا۔ ہوان سانگ نے چین لوٹ کر انیس برسوں تک

تک بودھ گرنتھوں کا چینی زبان میں ترجمہ کرنے میں لگا رہا۔

ہرش کو ہوان سانگ کے ہندوستان آنے کا ایک فائدہ ہوا۔ ہوان سانگ کی وجہ سے چین کے سمراٹ تائی تشونگ سے ہرش کے بڑے اچھے تعلقات قائم ہوگئے۔ ہرش نے ایک بڑے ہی ودوان کو سیاح بنا کر چینی بادشاہ کے دربار میں بھیجا تھا۔ چین کے بادشاہ نے بھی اپنا ایک سیاح ہرش کے دربار میں بھیجا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چین اور بھارت کے تعلقات اُس زمانے میں کتنے اچھے تھے۔

ہرش کا یہ قاعدہ تھا کہ وہ ہر پانچویں سال پریاگ میں گنگا اور جمنا کے سنگم پر دان کرتا تھا۔ اس موقعہ پر وہاں بڑا بھاری میلہ لگتا تھا۔ سارے ملک سے ہر مذہب اور ذات کے لوگ دان لینے آتے تھے۔ سنگم پر پانچ لاکھ آدمیوں کے ٹھہرنے اور کھانے پینے کا پورا بندوبست ہوتا تھا۔ یہ دان پچھتر دنوں تک بٹتا رہتا تھا۔ ہر روز ہرش اپنے تخت پر آکر بیٹھتا اور باری باری سے ہر دھرم کے بھکشوؤں کو دان دیتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ دس ہزار بدھ بھکشوؤں میں سے ہر ایک کو سونے کے ایک سو سکّے، ایک موتی، سوتی کپڑے، عطر اور کھانا بانٹتا تھا۔ مہینے بھر کے اندر ہی ہرش کا خزانہ بالکل خالی ہو جاتا۔ ایک بار تو یہاں تک ہوا کہ دان کرتے کرتے ہرش نے اپنے جسم کے کپڑے اور زیورات تک اتار کر بانٹ دئے۔ ہرش اپنے اس دان کی وجہ سے لوگوں میں بہت ہر دل عزیز ہو گیا تھا۔ اس کے دان کی یہ کہانی ہندوستان کے کونے کونے میں پھیل گئی۔

ہرش کی زندگی کے آخری دن اچھے نہیں گزرے۔ ہرش کو بدھ دھرم سے بڑا لگاؤ تھا۔ اس لئے کٹر خیال کے بہت سے برہمن اس سے بہت ناراض ہوگئے۔ انھوں نے ہرش کو مارنے کی سازشیں شروع کیں۔ آخر میں ہرش کے ایک وزیر نے جس کا نام ارجن تھا اس کے خلاف بغاوت کر دی۔ ہرش کو ایک قاتل نے دھوکے سے مار ڈالا۔ اس طرح ہندوستان کے ایک نہایت ہی قابل، اچھے اور طاقتور سمراٹ کا دردناک

انجام ہوا۔

ہرش صرف ہوشیار، سخی اور اچھا منتظم ہی نہیں۔ وہ بڑا ودوان بھی تھا اور اس نے کئی ناٹک لکھے تھے۔ اشوک کی طرح ہرش بھی بھارت کا ایک بہت بڑا اور اچھا راجہ تھا۔

منگل ناتھ سنگھ

پلاکیشن دوم

ہندوستان کی تاریخ میں چھٹی صدی کے نصف حصے کے بعد دکھن میں چالوکیہ خاندان کی حکومت شروع ہوئی۔ اس خاندان نے تقریباً ۲۰۰ سال کے دور حکومت میں کچھ ایسے کام کئے جن کی چھاپ کبھی مٹنے والی نہیں۔ اس خاندان کا سب سے بڑا بادشاہ پلاکیشن دوم تھا۔ پلاکیشن کا مطلب ہوتا ہے "بہت بڑا شیر"۔ پلاکیشن واقعی شیر کی طرح طاقت ور اور بہادر تھا۔

تاریخ میں اس خاندان کے بزرگوں میں جے سنگھ کا نام ملتا ہے مگر خاندان کی عزت و وقار کو بڑھانے والا آدمی جے سنگھ کا پوتا پلاکیشن اول تھا۔ جس نے بیجاپور کے بادامی نام کے مقام پر اپنی راج دھانی بنا کر وہاں سے چاروں طرف راج کو پھیلانا شروع کیا۔ واتاپی پوری (بادامی) کے گرد ایک مضبوط قلعہ بنانا اس کا پہلا کام تھا۔ پلاکیشن اول کا بیٹا کیرتی ورما اپنے باپ سے بھی بڑا ہوا۔ اس نے ون واسی کے کدمبو، کوکن کے موریوں اور وستر کے نلون کو شکست دی۔ کوکن کی فتح سے چالوکیوں کے ہاتھ گوا جیسی مشہور بندرگاہ لگی۔ گوا بندرگاہ سے دور دور کے ملکوں میں تجارت کرنے کے لئے جہاز جاتے تھے اور خوب دولت کما کر لوٹتے تھے۔ اس سے چالوکیہ راج کا خزانہ بھرنے لگا۔ گوا کو اس زمانے میں 'کھیتی دویپ' کہتے تھے۔

بدقسمتی سے کیرتی ورما چھوٹی عمر میں ہی مر گئے۔ ان کی موت کے وقت اُن کے سبھی لڑکے کم عمر کے تھے۔ کیرتی ورما کے بڑے لڑکے پلاکیشن کے نام پر اس کا چچا منگلیش سرپرست بن کر راج کاج کرنے لگا۔ منگلیش نے سلطنت کو پھیلانے میں اپنے خاندان کی

روایات کے مطابق کام کیا۔ اس کے گھوڑ سواروں کی دھول سے مغرب اور مشرق کے کونے سمندر تک ڈھک گئے۔ اس نے کلچوری راجہ بودھ راج پر حملہ کر کے اپنے خزانے بھر لئے اور بے شمار دولت اکٹھی کی۔ اس وقت کوکن میں بغاوت پھیل گئی۔ منگلیش نے اس بغاوت کو بڑی سختی سے دبایا۔ اس نے بادامی کے پاس کئی ایک مشہور مندر تعمیر کروائے۔ مگر راج اور اقتدار کا لالچ قدرتی ہی ہے۔ منگلیش بھی اس لالچ سے بچ نہ سکا۔

اپنے راج کے شروعات میں جہاں منگلیش اپنے بھائی کی بڑائی کرتے تھکتا نہ تھا۔ وہاں اب اس کے کان اپنی تعریف سننے کے طلب گار رہنے لگے۔ بڑھاپے میں اس کی نیت پلاکیشن کی طرف سے بھی خراب ہوگئی۔ اس کا راج دربار سازشوں کا اڈا بن گیا۔

پلاکیشن اب جوان ہو چکا تھا۔ منگلیش کے لئے مناسب تو یہ تھا کہ وہ راج کے اصل حق دار کو حکومت کی باگ ڈور دے کر گھر بلو جھگڑے کو ختم کرے۔ مگر اس نے اپنے بیٹے کو ہی راجہ بنانے کی سازش کی۔ پلاکیشن کو راج نہ ملے، اس کی کوشش کی جانے لگی۔ پلاکیشن بھی اپنا حق لینے پر تلا بیٹھا تھا۔ آخر دونوں میں کش مکش ہوگئی۔ پلاکیشن نے اپنے بھائیوں کے ساتھ راج دھانی چھوڑ دی اور اس کے کچھ دن بعد ہی چچا بھتیجے کے درمیان خانہ جنگی چھڑ گئی۔

لڑائی میں پلاکیشن کی فتح تو ہوئی مگر یہ لڑائی چالوکیہ خاندان کے لئے بڑی مہنگی پڑی۔ چالوکیہ سامراجیہ ابھی پوری طرح جمنے بھی نہیں پایا تھا اور اس کی جڑیں پوری طرح مضبوط بھی نہ ہو پائیں تھی کہ راج کے خاندان کے لوگ آپس میں ہی لڑنے مرنے لگے۔ سرداروں کے لئے اپنی کھوئی ہوئی آزادی حاصل کرنے کا موقعہ اس سے اچھا اور کیا ہو سکتا تھا۔ چاروں طرف کے دشمنوں نے موقعہ دیکھ کر اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ مگر پلاکیشن نے بڑی دلیری اور ہمت کا ثبوت دیا۔ اس نے ایک ایک کر کے سبھی مخالفوں کو دبا دیا۔ سیاست یہ کہتی ہے کہ پہلے اپنے ایسے دشمن کی طرف جھکو جو کمزور ہو اور جس کا

خلاف کسی دوسرے بادشاہ سے بھی مدد مل سکتی ہو۔ پلاکیشن نے سیاست کی اسی چال کو اپنا کر لگاتار کامیابیاں حاصل کیں۔ میترکوں کے راجہ کے ایک نیروٹلک نام کے سردار نے آزاد ہو کر لاٹ پردیش کا ایک حصہ اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اس کا جانشین اپایک بڑا ہی فضول خرچ تھا۔ اس نے چالوکیوں کے گھریلو جھگڑے سے فائدہ اٹھا کر لاٹ سے آگے بڑھ کر چالوکیہ راج کی حدوں میں بھی ہاتھ پیر مارنے شروع کئے۔ اس کام میں اسے گوبند نام کے ایک شخص سے بھی مدد ملی۔ اپایک کے خلاف پلاکیشن نے مترک راجہ شیلہ دتیہ سے صلح کر لی۔ بھیم رتھی ندی کے شیلہ دتیہ اور پلاکیشن کی ملی جلی فوج کے ہاتھوں اپایک کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا۔ اپایک کے راج کو دونوں راجوں نے آپس میں بانٹ لیا۔ اس صلح کا ایک اور فائدہ بھی ہوا۔ وہ یہ کہ دونوں راجوں میں کچھ علاقوں کو لے کر میترکوں اور چالوکیوں میں جو اَن بن تھی وہ بھی ختم ہو گئی۔ دکن، گجرات اور اتر کوکن پر کیلچوری بھی اپنا دعویٰ کرتے تھے۔ اب انھوں نے یہ علاقہ چالوکیوں کے لئے چھوڑ دیا۔ اسی طرح سہیہ اور وندھیا کے درمیان کے علاقوں پر چالوکیوں نے میترکوں کا قبضہ منظور کر لیا۔

شمال کی طرف سے فرصت پا کر اب پلاکیشن نے دوسری طرف دھیان دیا۔ بنواسی کے کندب خاندان کے راجہ پہلے پلاکیشن کے والد کے زمانے میں چالوکیوں کی اطاعت قبول کر چکے تھے مگر گھریلو جھگڑے کے دوران آزاد ہو گئے تھے۔ پلاکیشن نے بنواسی پر حملہ کر کے انھیں دوبارہ محکوم بنا لیا۔ جنوب میں کرناٹک کا الوپ راجہ اور میسور کا راجہ گنگ بھی اسی طرح اس کی اطاعت قبول کرنے پر مجبور ہوا۔

ان راجوں میں گنگ کو بڑی اہمیت تھی۔ گنگ کا راجہ پھر کوئی بغاوت نہ کرے اور ہمیشہ کے لئے چالوکیہ سلطنت کا حصہ بنا رہے اس خیال سے پلاکیشن نے اس سے دوستی کر لی۔ گنگ راجہ درونیت نے اپنی ہار کے بعد اپنی لڑکی کی شادی پلاکیشن سے کر دی۔

اس راج کماری نے آگے چل کر وکرمادتیہ اول کو جنم دیا جو پلاکیشن کا جانشین ہوا۔ پلووں کے ساتھ لڑائی میں آگے چل کر جب چالوکیوں کی حالت خراب ہوگئی تب گنگ راج دُروینیت نے اپنے رشتہ دار کی حالت سنبھالنے میں بڑی مدد کی۔

اب پلاکیشن نے اپنی سلطنت بہت مضبوط کر لی تھی۔ صرف شمال میں کوکن کا موریہ راجہ ہی ایسا تھا جو اب بھی اپنی بغاوت کا جھنڈا اوپر کئے ہوئے تھا۔ پوری (ایلیفینٹا دو بیپ) میں اس کی راج دھانی تھی۔ پوری کو اس زمانے میں مغربی سمندر کی رانی کہا جاتا تھا۔ پوری کی تجارتی اہمیت اور تجارت سے حاصل ہونے والی بے شمار دولت موریوں کی طاقت کی ایک اہم وجہ تھی۔ اپنی دولت کی طاقت کی وجہ سے موریہ راجہ کسی کو کچھ سمجھتا ہی نہ تھا۔ مگر پلاکیشن کی طاقت کے سامنے وہ بھی نہ ٹک سکا۔ اسے بھی پلاکیشن کی اطاعت قبول کرنی پڑی۔

موریوں کو دبانے کے بعد پلاکیشن کے راج کی اندرونی حالت پھر سے مضبوط ہوگئی۔ اب وہ اس حالت میں تھا کہ پورے دکن بھارت کو ماتحت کر سکے۔ دکن میں کانچی کے پلّو اور مدورا کے پانڈیہ دو راج ایسے تھے جو اس کی برابری کا دعویٰ کرتے تھے۔ یہ بھی پورے جنوبی بھارت پر اپنا راجیہ قائم کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ ان میں پلّو راجیہ، چالوکیہ راج کا نزدیکی پڑوسی تھا۔ اس لئے پلاکیشن کے لئے پہلے اس سے جنگ کرنی لازمی تھی۔ پلّووں پر حملے کا منصوبہ بنا کر پلاکیشن نے اپنے چھوٹے بھائی کو یوراج بنا دیا اور اسے راج دھانی میں ہی چھوڑ دیا۔ وہ خود ایک بڑی بھاری فوج لے کر پلّووں کی طرف بڑھا۔ پلّووں پر حملہ کرنے سے پہلے اس نے دکھن کوسل اور کلنگ کو فتح کر کے اپنے تخت کیا کیونکہ پلّووں سے جنگ میں یہ پیچھے سے حملہ کر کے خطرناک ثابت ہو سکتے تھے۔

پلّووں اور کلنگ کے درمیان وشنو کونڈن خاندان کا راج تھا۔ پلاکیشن کی پہلی لڑائی وشنو کونڈنوں سے ہوئی۔ جس میں پلاکیشن بڑی آسانی سے جیت گیا۔ اب پلاکیشن پلّووں کی سرحد تک پہنچ چکا تھا۔ پلّووں کا راجہ مہندر ورما اول تھا۔ پلّووں میں مہندر جیسا طاقتور اور قابل

بادشاہ دوسرا کوئی نہیں ہوا۔ وہ صرف بہت بڑا معمار، موسیقار اور شاعر ہی نہیں بلکہ بڑا زبردست سپہ سالار بھی تھا۔ مگر پلاکیشن کا حملہ روکنے میں وہ ناکامیاب ثابت ہوا۔ پلاکیشن پلّو راج کو روندتا ہوا اس کی راج دھانی سے ۱۴ میل تک پہنچ گیا۔ بھاگ کر مہیندر ورمانے اپنی راج دھانی میں پناہ لی۔ بہت کوشش کے باوجود بھی پلاکیشن پلوّوں کو پوری طرح سے شکست دے دینے میں ناکامیاب رہا۔

جس وقت پلاکیشن پلوّوں سے لڑنے میں پھنسا ہوا تھا اس وقت شمالی ہند کی سیاست میں ہرش کے بڑھتے ہوئے اثر نے پلاکیشن کے لئے کچھ ایسی پیچیدگی پیدا کر دی کہ اسے لڑائی ادھوری چھوڑ کر واپس لوٹنا پڑا۔ ہاں اس لڑائی سے اسے پلوّوں کے راج کے شمالی علاقے ضرور ہاتھ لگے۔ پلو پھر اسے تنگ نہ کریں۔ اس خیال سے پلاکیشن نے اپنے بھائی وشنو وردھن کو آندھر کا صوبے دار بنا کر وہیں رہنے کے لئے بھیج دیا۔

جس وقت پلاکیشن دکن کو فتح کر رہا تھا اسی وقت اتر میں ہرش وردھن نے بھی اپنے بازوؤں کے زور سے ایک بڑے راج کی بنیاد رکھی تھی۔ ہرش کے راج میں اتر بھارت کا بڑا حصہ شامل تھا۔ اتر کے علاقوں کو فتح کر کے ہرش دکن کی طرف مڑا۔ ادھر پلاکیشن بھی دکن میں اپنی حالت مضبوط کر کے اور پلوّوں کو شکست دے کر کے اتر میں اپنی سلطنت کو پھیلانا چاہتا تھا۔ مگر لڑائی کی ابتدا ہرش کی طرف سے ہوئی۔ پلاکیشن نے اس لڑائی میں بڑی عقلمندی سے کام لیا۔ اس نے لاٹوں مالووں اور گوجروں کو اپنی طرف ملا لیا۔ اس طرح اس نے اپنی سلطنت اتر میں مہاندی تک بڑھا لی۔

ہرش اور پلاکیشن کے درمیان ہونے والی جنگ کو سمجھنے کے لئے ولبھی کی اہمیت کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ جو بھی راجہ شمال سے جنوب یا جنوب سے شمال کو جاتا تھا اسے ولبھی سے ہو کر جانا پڑتا تھا۔ جنوب کے حملہ آوروں کو شمالی ہند پر حملہ کرنے کے لئے نربدا یا مہاندی کو پار کرنا پڑتا تھا۔ ولبھی کی سلطنت دونوں حملہ آوروں کے لئے قدرتی طور

سے اہمیت رکھتی تھی۔ پھر جب نربدا کی شمالی سرحد پہ بسنے والے مالوا اور گوجر راج پلاکیشن کے تحت ہو گئے تو ولبھی کو اپنی طرف کرنا ہرش کے لئے اور بھی ضروری ہو گیا۔ ہرش نے اس کے راجہ سے دوستی کی پیش کش کی۔ مگر اس نے اسے نامنظور کر دیا۔ جس سے ہرش نے اس پہ حملہ کر دیا اور ولبھی کے راجہ کو شکست دی۔ اس نے بھاگ کر گوجر راجہ کے ہاں پناہ لی۔ اگرچہ گوجر ہرش کا مقابلہ کرنے سے بالکل قاصر تھے مگر ان کے پیچھے پلاکیشن کی طاقت تھی۔

ہرش اس وقت تو گوجروں کا کچھ نہ بگاڑ سکا مگر اس نے ایک زبردست سیاسی چال چلی اور ولبھی کے راجہ دھروسین سے اپنی لڑکی کی شادی کر کے اسے اپنی طرف ملا لیا۔ ولبھی سے فرصت پا کر اس نے فوراً پلاکیشن پہ حملہ کر دیا۔ نربدا کے کنارے پہ ہرش اور پلاکیشن میں خوفناک لڑائی ہوئی۔ اس جنگ میں ہرش کی فوجوں کی بہت تباہی ہوئی اور وہ ہار گیا۔ ہرش کی زندگی میں یہ اس کی پہلی شکست تھی۔ پلاکیشن کی فتح تو ہوئی مگر وہ اسے اتنی مہنگی پڑی کہ اس نے اب آئندہ کے لئے شمال کی طرف اپنی سلطنت کے پھیلانے کے سبھی ارادے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیئے۔

ہرش کو شکست دے کر پلاکیشن شہرت کی بلندیوں پہ پہنچ گیا۔ سارے شمالی ہند کے بادشاہ ہرش کو ہرانے کے بعد اس نے "پرمیشور" کا لقب اختیار کیا۔ مگر دکن میں پلّووں کی طاقت ابھی پوری طرح ختم نہیں ہوئی تھی۔ پلاکیشن جانتا تھا کہ پلّووں سے برابر خطرہ ہے۔ شمالی ہند کے جھنجھٹوں سے فرصت پا کر پلاکیشن نے اب پلّووں کی طرف پھر دھیان دیا۔ اسی دوران مہندرورما مر چکے تھے اور اس کی جگہ پہ نرسنگھ ورما مہابلی راجہ تھا۔ پلاکیشن پلّووں کو ہرا کر ایک بار پھر ان کی راج دھانی تک پہنچ گیا۔ مگر پلّو راج نے ہمت نہ ہاری اس نے پلاکیشن کو ایک دو بار بری طرح ہرایا۔ آخر میں پلاکیشن کو بھاگ کر واپس لوٹنا پڑا۔ مگر اس بار نرسنگھ ورما نے زوردار حملہ کیا اور چالوکیہ پردیشوں کو روندتا ہوا وہ

ان کی راج دھانی واتاپی تک پہنچ گیا بشاید اسی لڑائی میں پلاکیشن مارا گیا۔ واتاپی پر نرسنگھ ورما کا قبضہ ہو گیا اور اس نے واتاپی گونڈ یعنی "واتاپی کو فتح کرنے والا" کا لقب اختیار کر لیا۔

پلاکیشن دوم بے مثل بہادر اور قابل سپہ سالار تھا۔ اس نے اپنی سلطنت کافی پھیلائی۔ اسی لحاظ سے آج بھی اس کا نام ہندوستان کی تاریخ میں بہت اونچا ہے۔

جگن ناتھ پربھاکر

شنکر آچاریہ

آٹھویں صدی عیسوی کا ذکر ہے۔

دکھنی بھارت کے کیرل پردیش میں ایک گاؤں تھا کالندی۔ یہ گاؤں پورنا ندی کے کنارے پر بسا ہوا تھا۔ اس میں شیوگرو نام کے ایک براہمن رہتے تھے۔ وہ بڑے ہی عالم تھے۔ ان کا بڑھاپا آپہنچا تھا مگر ان کے کوئی اولاد نہ ہوئی تھی۔ ان کی دھرم پتنی سبھدرا اپنی سونی گود دیکھ کر اداس رہتی تھی۔ شیوگرو کا بھی دل نہیں لگتا تھا۔

شیوگرو بھگوان شنکر کے بھگت تھے۔ انھوں نے اور ان کی بیوی نے بڑی لگن سے بھگوان شنکر کی پوجا کی۔ کہا جاتا ہے کہ بھگوان خوش ہو گئے اور انھیں کے وردان سے شیوگرو کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ بھگوان کی مہربانی سے بچے کا جنم ہوا تھا اس لئے اس کا نام بھی شنکر رکھا گیا۔ یہی بچہ بڑا ہو کر شنکر آچاریہ کے نام سے مشہور ہوا۔

شنکر آچاریہ بچپن سے ہی بہت بڑے ذہین اور سنجیدہ تھے۔ چھوٹی عمر میں ماتا سے پرانوں کی کہانیاں سن کر زبانی یاد لیتے تھے۔ جب وہ تین سال کے ہوئے تب ان کا منڈن ہوا۔ مگر بدقسمتی سے اس کے بعد ہی ان کے والد اس دنیا سے چل بسے۔

اس چھوٹی عمر میں شنکر آچاریہ اناتھ ہو گئے۔ مصیبتوں کا پہاڑ سر پر ٹوٹا۔ مگر مشکلوں کا یہ پہاڑ بھی شنکر آچاریہ کی ذہانت کی چمک دمک کو کم نہ کر سکا۔ وہ جب پانچ سال کے ہوئے تو پڑھنے کے لئے گروکل چلے گئے۔

شنکر کی ذہانت اور عقل دیکھ کر ان کے گرودیو بہت خوش ہوئے۔ شنکر آچاریہ کا دل

شاستروں کی پڑھائی میں خوب لگتا تھا۔ شنکر آچاریہ صرف دو ہی سال گرہ وکل میں رہے۔ اسی دوران میں انھوں نے وید ویدانت کی پڑھائی پوری کرلی۔ اس کے بعد وہ اپنے گھر لوٹ آئے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً آٹھ سات سال کی تھی۔

رفتہ رفتہ شنکر کو اپنے ارد گرد کے غریب بے سہارا لوگوں کا ہی نہیں سارے ہندوستان کی بری حالت کا اندازہ ہونے لگا۔ ذات پات اور اونچ نیچ کی سخت بندشوں میں جکڑے ہوئے بے شمار لوگوں کی ہاہاکار انھیں سنائی دے رہی تھی۔ جہالت اور اندھی تقلید کے اندھیرے میں ٹھوکریں کھاکر گرتے ہوئے ہزاروں آدمیوں کی چیخ پکار ان کے دل کو برما رہی تھی۔ انھوں نے طے کرلیا کہ وہ ملک کی اس بری حالت کو بدل کر ہی دم لیں گے۔

اپنے اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے شنکر گھر بار چھوڑ دینے کی بات سوچنے لگے۔ ادھر ان کی عقلمندی اور قابلیت کی دھوم چاروں طرف پھیل رہی تھی۔ مالابار کا راجہ عالموں کی بہت قدر کرتا تھا۔ اس نے چاہا کہ شنکر آچاریہ راج پنڈت بن کر ان کے دربار کی رونق کو بڑھائیں۔ اس نے ایک ہاتھی اور بہت سی دولت دے کر اپنے وزیر کو شنکر کے پاس بھیجا۔

شنکر آچاریہ نے مالابار راج کا پنڈت ہونا منظور نہ کیا کیونکہ انھیں تو نہایت بڑا کام کرنا تھا۔

راج منتری کو مایوس لوٹنا پڑا۔ مالابار کے راجہ نے اپنے منتری سے شنکر آچاریہ کے تیاگ کی خبر سنی۔ وہ دنگ رہ گیا۔ شنکر کے درشن کے لئے اس کا من بے چین ہو اٹھا، اور دوسرے ہی دن وہ خود شنکر کی سیوا میں پہنچا اور ان کے خدمت میں دس ہزار مہریں اور چند کتابیں پیش کیں۔ مگر شنکر نے کتابوں کو تو قبول کرلیا اس کے علاوہ ایک کوڑی بھی لینا منظور نہ کیا۔

اس واقعہ کے بعد شنکر کا من گھر کی چاردیواری سے اوب گیا۔ انھوں نے اپنی ماتا سے سنیاس لینے کی اجازت مانگی۔ مگر ماں کا دل پتھر تو تھا نہیں جو وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو گھر بار

چھوڑ کر چلے جانے کی اجازت دے دیتی۔ شنکر آچاریہ کی التجائیں اور منّت و خوشامد کچھ بھی ماں کی ضد کے سامنے کام نہ آئی۔

اتفاق سے ایک دن شنکر دریا میں جب نہانے اترے تب وہاں انھیں ایک مگر مچھ نے پکڑ لیا۔ ساحل کی ماتا کنارے پر کھڑی تھیں۔ وہ بیٹے کو تکلیف میں دیکھ کر چلّانے لگی۔ شنکر بولے۔ "اگر تو مجھے سنیاس لینے کی اجازت دے دے تو مگر مچھ مجھے ضرور چھوڑ دے گا۔"

ماں بیچاری کیا کرتی۔ اس نے اجازت دے دی۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد مگر مچھ نے واقعی شنکر کو چھوڑ دیا۔

اب شنکر گھر سے چل دئے اور نرمدا ندی کے کنارے پہنچے۔ وہاں سوامی گووند بھگوت پاد سے انھوں نے سنیاس کی دیکشا (تعلیم) لی۔ اس کے بعد شنکر نے گرو کے بتائے ہوئے طریقے سے سادھنا (عبادت) شروع کر دی۔ تھوڑے ہی دن میں انھوں نے یوگ میں سدھی حاصل کر لی۔ اور ساتھ ہی ادویتواد کا گہرا مطالعہ کیا۔ گرو نے خوش ہو کر انھیں حکم دیا کہ کاشی جا کر ویدانت سوتر کی تفسیر لکھیں۔

شنکر آچاریہ نے کاشی پہنچ کر گرو کا حکم پورا کیا۔ کاشی میں ان کی شہرت پھیلنے میں دیر نہیں لگی۔ لوگ ان کی طرف کھنچنے لگے۔ کئی تو ان کے شاگرد بن گئے، ان میں پدما آچاریہ نام کا ایک شاگرد قابل ذکر ہے۔ اس طرح شنکر آچاریہ کئی شاگردوں کو پڑھاتے بھی تھے اور ساتھ ساتھ کتاب بھی لکھتے تھے۔ آہستہ آہستہ انھوں نے کئی متوں کی برائیوں اور خامیوں کے خلاف آواز اٹھائی اور اندھے وشواس کی مذمّت کی۔ پنڈتوں کے ساتھ مباحثے اور مناظرے ہونے لگے۔ ان مقابلوں میں محبت، ایکتا اور ادویتواد کے پرچارک شنکر کو قدم قدم پر فتح حاصل ہوئی۔

شنکر آچاریہ نے ویدانت مت کے پرچار کے لئے ملک کا دورہ شروع کیا۔ یہ تو کوئی آسان کام نہیں تھا۔ ان دنوں ریل گاڑی، موٹر کار، جہاز تو تھے نہیں۔ پیدل ہی چلنا پڑتا تھا۔

پیدل ہی جنگل، پہاڑ، دریا پار کرتے ہوئے شنکر ملک کے کونے کونے میں پہنچے اور جگہ جگہ پر انھوں نے دوسرے مت کے لوگوں کے ساتھ مذہبی بحثیں کیں۔ شنکر آچاریہ کے علم وفضل کے آگے بڑے بڑے عالموں کو ہار ماننی پڑی۔ سینکڑوں ہزاروں نوجوان ان کے شاگرد بن گئے۔ لاکھوں لوگوں نے ان کے مت کو اپنایا۔

اس طرح فتح کا ڈنکا بجاتے ہوئے شنکر آچاریہ طوفان کی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف بڑھتے گئے۔ انھوں نے لوگوں کو سنیاس دھرم کا صحیح مطلب سمجھایا کہ سنیاس دنیا چھوڑ کر بالکل نکمّا بیٹھے رہنے کا نام نہیں ہے۔ انھوں نے بتایا کہ سنیاس کا مطلب اپنے مطلب اور فائدے کو چھوڑ کر دوسروں کے فائدے کے لئے ہمیشہ کام میں لگے رہنا ہے۔ شنکر آچاریہ ادویت ویدانت مت کا پرچار کرتے تھے۔

ان دنوں ہندوستان میں بدھ اور جین دھرموں کا بہت زور تھا۔ ان دونوں دھرموں کے ماننے والے اپنے اپنے دھرم کی سچی تعلیم اور اصول سے دور ہٹتے جارہے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ بھارت کے پرانے ویدک دھرم سے ان کی مخالفت بھی بڑھتی جارہی تھی۔ پھر بودھوں اور جینیوں کا آپس میں بھی جھگڑا ہوتا رہتا تھا اس لئے شنکر آچاریہ نے ان کی طرف خاص توجہ کی۔ وہ ان متوں کے آپسی اختلافات کو دور کرکے ویدک دھرم کی اصلاح شدہ شکل کو رائج کرنا چاہتے تھے۔

اسی مقصد سے وہ کمارل بھٹ نام کے ایک عالم سے ملنے چلے۔ کمارل بھٹ ویدک دھرم کے ماننے والے تھے۔ ویدوں کے ادویتیہ پنڈت ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بدھ اور جین دھرم کے شاستروں کے بھی اچھے جاننے والے تھے۔ شنکر آچاریہ ان کو اپنا مددگار مانتے تھے مگر جب وہ کمارل بھٹ کے پاس گئے اس وقت آخری سمادھی کے لئے تیار تھے۔ انھوں نے شنکر کو صلاح دی کہ وہ منڈن مشر کے پاس جائیں۔ منڈن مشر کمارل بھٹ کے بڑے شاگرد تھے۔ ان کے علم وفضل کی بڑی شہرت تھی۔ شنکر آچاریہ نے منڈن مشر اور ان کی بڑی ہی قابل پتنی سے شاستر ارتھ (مذہبی مباحثہ) کرکے دونوں کو ہرایا۔ منڈن مشر شنکر کے شاگرد بن گئے۔

اب شنکر آچاریہ نے جگہ جگہ پر بدھ اور جین و دوسرے کئی متوں کے پنڈتوں کو شاستر ارتھ شروع کر دیا۔ وہ اپنے پیرو کاروں کو لے کر گندھار، کاشمیر، کمبوج اور تکشلا پہنچے۔ ان ملکوں میں بودھوں کا بہت زور تھا۔ مگر شنکر آچاریہ نے وہاں پھر سے ویدانت مت قائم کر دیا۔ وہ بنگال اور بہار بھی گئے۔ بودھوں کے گڑھ نالندا، راج گرہ اور گیا پہنچے۔ کام روپ، نیپال، اتر گجرات، کاٹھیا واڑ اور مدھیہ پردیش، اتر پردیش، دکھنی بھارت یعنی ملک کے کونے کونے میں پہنچے۔ وہ سارے تیرتھ استھانوں پر گئے۔ سب جگہ انھوں نے الگ الگ متوں کے گروؤں کو ہرا کر اپنے دھرم کا جھنڈا گاڑ دیا۔ کئی مندر، مٹھ آشرم قائم کئے۔ بودھوں اور ویدک دھرم کے ماننے والوں میں برادرانہ تعلقات قائم کئے۔

شنکر آچاریہ کو پرچار کرتے وقت کئی بار مخالفوں کے حملے بھی برداشت کرنے پڑے۔ کرناٹک میں بہت سے کاپالیک رہتے تھے۔ یہ لوگ اپنے دیوتا پر آدمی کی قربانی دے کر اس کی کھوپڑیاں چڑھایا کرتے تھے۔ شنکر آچاریہ جب کرناٹک پہنچے تو ایک بار ان پر اور ان کے پیرو کاروں پر کاپالیکوں نے حملہ کر دیا مگر شنکر آچاریہ اور ان کے پیرو کار تو جان ہتھیلی پہ لئے پھرتے تھے۔ انھیں کس بات کا ڈر تھا۔ کاپالیک ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے۔

شنکر آچاریہ کے تیاگ کی یہ حالت تھی کہ وہ اپنے جسم کی بھی کوئی پرواہ نہ کرتے تھے۔ اس سے متعلق بھی ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بار شنکر آچاریہ بڑے آرام اور سکون سے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے پاس ایک کاپالیک آیا۔ اس نے پرارتھنا کی۔ مہاراج آپ تو بڑے گیانی اور پہونچے ہوئے سنت ہیں۔ آپ کو تو اپنے جسم سے بھی کوئی پیار نہیں ہے مگر مجھے ایک سادھنا میں آدمی کا سر چاہیئے اگر آپ سر دیں تو میرا کام بن جائے۔

شنکر نے کہا "بہت اچھا میں ابھی سمادھی لگاتا ہوں تم میرا سر کاٹ لینا۔"

شنکر سمادھی لگا کر بیٹھ گئے۔ کاپالیک شراب پی کر اور ہاتھ میں ترشول لے کر آ گیا۔ وہ شنکر کا سر کاٹنے والا ہی تھا کہ پدما پاد وہاں آ پہونچے اور انھوں نے شنکر کو بچا لیا۔

شنکر نے سچائی، اہنسا اور نیک خیالات کی وجہ سے مخالفوں پر فتح پائی۔ شانتی ایکتا اور سچے گیان کا راج قائم کیا۔ اپنے اس دھرم راج کی حفاظت اور دیکھ بھال کے لئے ملک کے چاروں کونوں میں شنکر آچاریہ نے چار بڑے بڑے مٹھ قائم کئے۔ بھارت میں مذہبی اور تہذیبی ایکتا لانے میں ان چاروں مٹھوں کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے۔ بدری ناتھ، دوار کاپوری، رامیشورم اور جیوتر میں چار مٹھ بنا کر شنکر آچاریہ نے ایک ایک شاگرد کو یہاں رکھ دیا۔

ان کاموں کے علاوہ انھوں نے کئی سنسکرت کتابیں لکھیں۔ ان گرنتھوں میں برہما سوتر بھاشیہ الیش کین، کٹھ وغیرہ تقریباً ۱۲ اپنیشدوں کی شرحیں، گیتا بھاشیہ، سرو ویدانت سدہانت سنگرہ، دیویک چوڑامنی، پربودھ سدھاکر وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ یہ سارے کام انھوں نے ۳۲ سال کی عمر میں کر ڈالے۔ اس کے بعد ان کی زندگی کے دن پورے ہو گئے۔

سیتا رامن

انڈال

نویں صدی عیسوی میں دکھنی بھارت میں ایک بہت مشہور سنت شاعرہ کا جنم ہوا۔ ان کا نام انڈال تھا۔ انڈال کو دکھنی بھارت کی میرا کہا جاتا ہے۔ وہ بھی میرا بائی کی طرح ہی بھگوان شری کرشن کی بھگت تھیں۔ ایسا کہا جاتا ہے کہ انڈال بھو دیوی کی اوتار تھیں۔ انھوں نے بھی میرا بائی کی طرح شری کرشن پر کئی نظمیں لکھی ہیں۔

دکھنی بھارت میں مدورام نام کا ایک شہر ہے۔ اسے دکھن کا متھرا کہتے ہیں۔ اس مدورا میں پرانے زمانے میں نامل راجہ پانڈین راج کرتا تھا۔ اس مدورا کے نزدیک شری ولیّو تر گاؤں ہے۔ وہاں وشنو چِت نام کے وشنو بھگت براہمن رہتے تھے۔ وہ شری کرشن کی سیوا میں ہی اپنا زیادہ وقت صرف کرتے تھے۔ وشنوچت نے ایک خوبصورت پھلواری لگا رکھی تھی۔ جس کے پھولوں سے وہ کرشن کی پوجا کرتے تھے۔ ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس وجہ سے وہ اور ان کی بیوی کچھ دکھی رہتے تھے۔ اولاد کے لئے دونوں دعا مانگتے۔

آخر بھگوان کی مہربانی ہوئی۔ ایک روز وشنوچت اپنی پھلواری میں پودوں کو پانی دے رہے تھے کہ انھیں تلسی کے پودے کے نیچے ایک خوبصورت بچی پڑی ہوئی دکھائی دی۔ بچی کو دیکھ کر وشنوچت بہت خوش ہوئے اور اسے لے جاکر اپنی پتنی کو دیا۔ ان کی عورت بھی خوش ہوئی۔ دونوں نے اس بچی کا نام 'کودے' رکھا اور بہت لاڈ پیار سے پالنے لگے۔ یہی لڑکی بعد میں انڈال کے نام سے مشہور ہوئی۔

کودے بچپن میں ہی شری کرشن سے بہت پیار کرتی تھی۔ وہ شری کرشن کی پوجا کئے بغیر

کھانا نہیں کھاتی تھی۔ روز پھلواری میں جا کر شری کرشن کے لئے تازہ پھول چنتی اور بھگوان کی پوجا میں ہی اپنا زیادہ وقت لگاتی۔ وہ پڑھنے لکھنے میں بھی بہت ہوشیار نکلی۔ بچپن سے ہی شری کرشن کے بارے میں اچھی اچھی نظمیں بنا کر سناتی تھی۔ لڑکی کی اس کرشن بھگتی کو دیکھ کر ماں باپ پھولے نہ سماتے۔

جب کودے بڑی ہوئی تو وہ روز اکیلے بیٹھ کر گھنٹوں کرشن کا دھیان کیا کرتی۔ کبھی اپنے گیت گا کر ان کی پوجا کرتی اور اس میں اتنی مگن ہو جاتی کہ اسے اپنی سدھ بدھ نہ رہتی۔

وشنو چیت شری کرشن کو پہنانے کے لئے روز چار پانچ مالائیں تیار کیا کرتے تھے۔ کودے چھپ کر ان مالاؤں کو پہلے خود پہن لیتی اور شیشے میں دیکھ کر بہت خوش ہوتی۔ پھر انھیں چپ چاپ اتار کر رکھ دیتی تھی۔ وشنو چیت کو یہ نہیں معلوم تھا کہ کودے مالا پہلے پہن لیتی ہے۔ روز کی طرح ایک دن وشنو چیت مالاؤں کو لے کر بھگوان کو پہنانے چلے تو سب مالائیں مرجھائی سی معلوم ہوئیں اور ان میں سے ایک مالا کے بیچ میں کسی کے سر کا ایک لمبا بال لپٹا ہوا تھا۔

وشنو چیت کو جب اس کی خبر لگی تو انھیں بہت دکھ ہوا اور وہ بھگوان سے معافی مانگنے لگے۔ اسی دن سے روز اسی طرح کی باتیں ہونے لگیں۔ روز پھول مرجھائے سے معلوم ہوتے تھے۔ وشنو چیت دکھی رہنے لگے۔

اتفاقاً جب ایک روز کودے بھگوان کی مالا پہن رہی تھی تب وشنو چیت وہاں آ گئے۔ اپنی بیٹی کو مالا پہنتے دیکھ کر وہ فوراً بول اٹھے "بیٹا تم یہ کیا کر رہی ہو۔ یہ تو بھگوان کی مالا ہے اسے ہمیں نہیں پہننا چاہیے۔ آگے سے ایسا مت کرنا"

یہ کہہ کر وشنو چیت نئی مالائیں تیار کر کے مندر میں لے گئے۔ لیکن جب وہ نئی مالا بھگوان کو پہنانے لگے تب وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گرنے لگی۔ یہ دیکھ کر وشنو چیت ڈر گئے۔ وہ سمجھے کہ بھگوان ان پر ناراض ہو گئے ہیں۔

اتنے میں وشنو چیت کو ایک آواز سنائی پڑی "اے میرے بھگت تمھاری بیٹی کودے کی

پہنی ہوئی مالاؤں کو میں بخوشی پہنوں گا۔"

یہ سن کر وشنوچت شش و پنج میں پڑ گئے۔ گھر جا کر ساری باتیں انھوں نے اپنی بیوی سے کہیں۔ تب تو میاں بیوی دونوں ہی اپنی لڑکی کودے کو دیوی کا اوتار سمجھ کر اس کی عزت کرنے لگے۔

ادھر کودے کی بھگتی بڑھ گئی۔ روز صبح نہا دھو کر وہ پوجا گھر میں جاتی اور کرشن بھگوان کی شان میں بھگتی سے بھرے ہوئے گیت بنا کر گاتی۔ اس طرح اس نے کئی گیت لکھے۔ ان گیتوں کو تامل زبان میں "انڈال یا سورنگ" کہتے ہیں۔ ان گیتوں میں جو گہرائی ہے اسے دیکھ کر وشنو بھگت حیران رہ جاتے ہیں —

ایک روز بھگوان شری کرشن نے وشنوچت کو سپنے میں درشن دئے اور کہا — "تمھارے یہاں جو دیوی ہے وہ میری لکشمی ہے۔ تمھاری بھگتی سے متاثر ہو کر میں نے انھیں تمھارے یہاں بھیج رکھا تھا۔ میری دیوی لکشمی جلد ہی میرے پاس واپس آجائیں گی۔ تم فکر نہ کرنا۔ تم کچھ سال تک اور اس دنیا میں رہ کر لوگوں کو سچا بھگتی کا راستہ سکھاؤ۔ بعد میں تم بھی ہمارے پاس آجاؤ گے۔"

جب وشنوچت کی نیند ٹوٹی تب سپنے کی بات یاد کر کے انھیں گھبراہٹ ہونے لگی۔ ادھر کودے نے بھی اسی رات ایک خواب دیکھا تھا کہ اس کی شری کرشن کے ساتھ شادی ہو گئی ہے۔ کودے نے جب اپنے خواب کی بات اپنے پتا کو بتائی تو ان کی پریشانی اور بھی بڑھ گئی۔ وہ کودے کو لے کر وشنو کی تیرتھ یاترا کے لئے نکل پڑے۔

کودے کو تو بھگوان کرشن کے پیار کی لو لگ چکی تھی۔ وہ برابر ان کی یاد کیا کرتی۔ آخر کار وشنوچت کودے کو لے کر شری رنگم پہونچے۔ کہا جاتا ہے کہ بھگوان رنگ ناتھ کی مورتی دیکھتے ہی کودے پیار میں مست ہو گئی اور مورت کے نزدیک چلی گئی۔ اسی وقت لوگوں نے دیکھا کہ مورت میں سے ایک شعلہ نکلا جس سے سبھی کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ پلک جھپکتے کودے ایسی لاپتہ ہو گئی جیسے مورت میں سما گئی ہو۔ اس طرح وشنوچت کا خواب پورا ہوا۔ اور ان کی لاڈ پیار سے پالی ہوئی کودے آخر بھگوان کے پاس پہونچ گئی۔

کودے تو اس کا گھر کا نام تھا۔ یوں اس کا نام تھا انڈال۔ انڈال کے معنی ہیں وہ شخص

جیسے نجات مل چکی ہو۔

تامل ناڈ میں، مارگ شیرش، مہینہ بڑا ہی پاک مانا جاتا ہے۔ اس مہینے میں وہاں کے عورت مرد صبح اٹھ کر وشنو کا بھجن کرتے ہیں۔ ان بھجنوں میں انڈال کے بھجن بھی ہوتے ہیں۔ جنھیں بڑی عقیدت اور محبت سے گاتے ہیں۔ جو لوگ وشنو کی پوجا کرتے ہیں وہ اپنی بیٹیوں کو انڈال جیسے کپڑے پہنا کر مندروں میں دیوتاؤں کے سامنے رقص کرواتے ہیں۔ انڈال کے بھجنوں کو "ترو پاوے" کہا جاتا ہے۔ تامل ناڈ کے لوگوں کا خیال ہے کہ ترو پاوے گانے سے بھگوان خوش ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں گھر گھر میں انڈال کے بھجن گائے جاتے ہیں۔ جیسے شمالی ہند میں سورداس اور میرا کے بھجن ہر دل عزیز ہیں اسی طرح سے جنوبی ہند میں کرشن کی بھگتی میں ڈوبے ہوئے انڈال کے بھجنوں کو مقبولیت حاصل ہے۔

رمیش نرائن تیواڑی

راج راج چول

ہندوستان میں کئی بڑے اور مشہور بادشاہ مختلف زمانوں میں گزرے ہیں۔ ان مشہور بادشاہوں میں جنوبی ہند کے راجہ راج راج چول کا بھی شمار ہوتا ہے۔ اس کی حکومت کا زمانہ ۹۸۵ء سے ۱۰۱۴ء مانا جاتا ہے۔

تخت پر بیٹھنے سے پہلے راج راج چول ۱۶ برسوں تک ولی عہد کی حیثیت سے رہا۔ جب وہ تخت پر بیٹھا اس وقت چول راج بہت چھوٹا تھا۔ ویلیرو دریا شمال میں، جنوب میں اسی نام کی دوسری ندی اس راج کی سرحد تھی۔ مغرب میں دریا اور مشرق میں کوٹی کری تھا۔ راج راج چول کا راجیہ موجودہ تنجور، ترچرا پلی اور سابق پوڈوکوٹا ریاست کے کچھ حصے تک محدود تھا۔ مگر اس کی موت کے وقت تک اس کا راج بہت بڑھ گیا تھا۔ اس نے اپنے زور بازو سے چول راج کو لنکا کے شمالی حصے، مدورا، مالابار، مالدویپ، میسور، بیلاری اور پوربی ہند میں گنٹور تک وسیع کر لیا تھا۔ اپنے بل بوتے پر اتنی بڑی سلطنت پر راج کرنے کی وجہ سے بھی تاریخ میں اس کو اچھی جگہ ملتی لیکن وہ جتنا محنتی تھا اتنا ہی اچھا بادشاہ بھی تھا۔ اس کو اس وجہ سے شہرت حاصل نہیں ہوئی کہ اس نے ایک بڑے علاقے کو فتح کیا اور اس پر حکومت کی بلکہ اس کی وجہ اس کی نیکی، رعایا کی بھلائی اور ملک کا حسن انتظام ہے۔

راج راج چول ویجالیہ خاندان کا تھا۔ اس خاندان کے پہلے بادشاہ مہاراجہ وجیہ لیہ نے ۸۵۰ء میں چول راج قائم کیا تھا۔ اس کے بعد ادتیہ اول، پرانتک اول، گنڈارادتیہ، آریجیہ، سندر راج چول اور اتم چول وغیرہ اس راج کے تخت پر بیٹھے۔ راج راج اول اس خاندان کا آٹھواں

بادشاہ تھا۔

ویجالیہ خاندان کے راجہ کھشتری تھے۔ ویجالیہ خاندان کے راجاؤں کے وقت کے پتھروں اور چٹانوں پر جو عبارتیں کندہ ہیں ان میں بار بار اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ویجالیہ خاندان کے راجہ کھشتری تھے۔

تخت پر بیٹھنے کے بعد چار سال تک تو راج راج چول اپنے راج کی حالت ٹھیک کرنے میں لگا رہا۔ پھر اس نے اپنے راج کو وسیع کرنے کی طرف دھیان دیا۔ اس نے اپنی فتوحات دکھن کی طرف سے شروع کیں اور اتر میں ختم کیں۔ اس کی وجہ یہ کہی جاتی ہے کہ دکھن بھارت کے تین راج مل کر چول خاندان کے راجاؤں کو اکثر تنگ کیا کرتے تھے اس لئے یہ ضروری تھا کہ پہلے ان تین دکھنی راجاؤں کی خبر لی جائے۔ اسی خیال سے اس نے پانڈیہ راجہ امر بھجنگ کو ہرا کر قید کر لیا اور اس کی راج دھانی وبلنذی پر اپنی فتح کا جھنڈا گاڑ دیا۔ پانڈیہ راج کو اس نے اپنی سلطنت میں ملالیا۔

پانڈیہ راج سے نپٹ کر راج راج چول نے اپنی بحری فوج سے لنکا پر حملہ کیا اور اس کے اتری حصے کو چول راج میں ملالیا۔ پتھر پر کندہ ایک تحریر میں لنکا کی فتح کا ذکر بڑے ہی دلچسپ انداز میں کیا گیا ہے۔

"بندروں کی مدد سے رام چندر نے لنکا جانے کے لئے ایک دپُل، سیتو بنایا اور تب بڑی مشکل سے تیز تیر دل سے لنکا کے راجہ کو مارا۔ لیکن رام چندر سے بڑھ کر یہ راجہ راج راج (راول) ہوا جس کی طاقت ور فوجوں نے جہازوں سے دریا پار کر لنکا کے راجہ کو بھسم کر دیا۔"

راج راج چول کے حملے سے پہلے لنکا کی راج دھانی ایک ہزار سال سے انورادھ پور تھی۔ راج راج چول کی فوجوں نے انورادھ پور کو تباہ کر دیا۔ راج راج چول نے لنکا کے جس حصہ کو فتح کیا وہ چول سلطنت کا ایک صوبہ بن گیا۔ اس صوبے کی راج دھانی پولو نروہ میں تھی۔ اگرچہ راج راج چول کا حق لنکا کے شمالی حصے پر ہی تھا مگر اس کا ارادہ سارے جزیرے کو اپنے راج میں ملا لینے کا تھا۔ اسی خیال سے اس نے اپنی راج دھانی انورادھ پور سے ہٹا کر پولو نروہ میں قائم کی۔ اس کا نام

بدل کر اس نے جگن ناتھ مستحکم رکھا۔ یہاں پر راج راج چول نے شیو کا ایک مندر بھی بنوایا جو آج بھی موجود ہے۔ اس مندر کا نام شیو دیوالیہ ہے۔

بہت دنوں کے بعد جب لنکا کے راجہ وجیہ باہو اول نے لنکا کے شمالی حصہ میں چولوں کے راج کا خاتمہ کیا۔ تب اس نے اپنی راج دھانی پولونرو میں رکھی۔ مگر اس نے پولونرو کا نام بدل کر وجیہ راج پور کر دیا۔ لنکا پر راج راج چول کی فتح کا ایک اثر یہ ہوا کہ لنکا کی راج دھانی انورادھ پور سے ہمیشہ کے لئے ہٹ گئی۔

راج راج چول نے اس طرح اپنے دو طاقت ور مخالف راجوں پانڈیے اور لنکا کو نیچا دکھایا۔ اب کیرل کے راجہ کو ہرانا باقی تھا۔ راج راج چول نے کانڈلور میں پہلے کیرل کے جنگی بیڑے کا دریائی لڑائی میں خاتمہ کر ڈالا اور بعد میں دلی نام کے نزدیک ایک لڑائی میں کیرل کی فوج کو بری طرح سے شکست دی۔ کیرل کو بھی راج راج چول نے اپنی سلطنت کا حصہ بنا لیا۔

ان سب لڑائیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ لنکا کیرل اور پانڈیے راجیوں کی طرف سے راج راج چول کو کوئی خطرہ نہیں رہا۔

اب راج راج چول نے اپنی نظر بھارت کے پچھمی کنارے کے دو راجیوں پر ڈالی۔ ان میں سے ایک پرچھم کے چالوکیوں کا راج تھا اور دوسرے پرگنگ راجہ کا۔ راج راج نے ان دونوں پر حملہ کیا اور انھیں جیت کر اپنے راج میں ملا لیا۔ اس طرح میسور اور بیلاری کے علاقے چول راج میں آ گئے۔

اب پورب کے چالوکیوں سے نپٹنا باقی تھا۔ ان کی وینگی راجیہ پر حکومت تھی۔ وینگی میں آپس میں ہی لڑائی ہو رہی تھی اور ان میں پھوٹ تھی۔ راج راج چول نے بڑی چالاکی سے کام لیا۔ اس نے وینگی کے تخت کے لئے ہونے والی لڑائی کو ختم کرنے کے بہانے وہاں کے معاملے میں دخل دیا اور شکتی ورما نام کے آدمی کو وینگی کے تخت پر بیٹھا دیا۔ اسی شکتی ورما کے بھائی کے ساتھ راج راج چول نے اپنی لڑکی کی شادی کر دی۔ وینگی کے چالوکیہ چول راج کے دوست بن گئے۔ راج راج چول نے

وینگی راجیہ کے دشمن کلنگ کے راجہ پر حملہ کر کے اسے بھی فتح کیا۔ اس طرح راج راج چول کا راج بہت دور تک پھیل گیا۔ تنگ بھدرا کے پار کے سارے دکھنی بھارت میں اس کا راج قائم ہو گیا۔

راج راج نے بڑی زبردست فوج تیار کی۔ اپنی بحری طاقت بڑھانے کے لئے اس نے جنگی جہازوں کا ایک بیڑا بھی تیار کیا۔ اسی کی مدد سے اس نے لنکا جیت کر اس کے چول راج میں ملا لیا۔

موت سے دو سال قبل راج راج چول نے اپنے بیٹے راجندر کو ولی عہد بنایا جو ۱۰۱۴ء میں اپنے باپ کی موت کے بعد راجندر اول کے نام سے تخت پر بیٹھا اور ۳۰ سال تک چول راجیہ کا طاقتور بادشاہ رہا۔

راج راج چول صرف ایک طاقتور اور ملک جیتنے والا راجہ ہی نہیں تھا بلکہ نہایت مذہبی اور فن کا قدر دان بھی تھا۔ وہ شیوجی کا بڑا بھگت تھا۔ اس کی اجازت سے تنجور کا شو مندر "راج راجیشور" بن کر تیار ہوا۔ اس مندر کے بنوانے میں اس راجہ نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ اس کی یہ خواہش تھی کہ شو کا مندر اپنی قسم کا بالکل انوکھا ہو، اور سچ مچ ہی 'راج راجیشور' کا یہ مندر انوکھا ہی ہے۔ یہ تامل تعمیر فن کا بہت ہی حسین نمونہ ہے۔

جنگ میں فتح حاصل کرنا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا جنگ کے بعد امن کے دوران میں فتح کئے ہوئے علاقے کی حالت میں سدھار لانا۔ اسی لحاظ سے راج راج کا نام ہندوستان کی تاریخ میں بہت بلند ہے۔ فوج کی تنظیم اور ملک کا انتظام جس طرح راج راج چول نے کی اس کی مثال ہندوستان کی تاریخ میں بہت کم ملتی ہیں۔ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وجیہ لیہ خاندان میں جتنے بھی راجہ ہوئے ان میں راج راج چول سب سے بڑا اور اچھا راجہ تھا۔

سبھی جانتے ہیں کہ مالگذاری کے لئے کھیتوں کے ناپ اور پیداوار کا صحیح اندازہ لگانا بہت ضروری ہے۔ اس سلسلے میں راج راج چول کا انتظام ایک نمونہ مانا جاتا ہے۔ راج کو مضبوط اور طاقتور بنانے کی طرف اس راجہ کا دھیان ہمیشہ رہتا تھا۔ مقامی حاکموں کی نگرانی کے لئے حکومت کی طرف سے مقرر کئے ہوئے اہل کار ذمہ دار تھے۔ پنچائتوں اور نیم سرکاری اداروں کو اپنے اپنے کام کرنے

کی پوری آزادی تھی۔ مگر ان کے خرچ اور آمدنی کے حساب کی سخت جانچ کے لئے عمّال مقرر تھے۔ جن کا کام یہ تھا کہ اگر یہ فضول خرچی کریں تو اس طرف راجہ کی توجہ دلائے۔

راج راج چول اگرچہ شیو دھرم کا ماننے والا تھا۔ لیکن مذہبی معاملوں میں وہ سب سے ایک جیسا سلوک کرتا تھا اور سب کو یکساں مدد کرتا تھا۔ اگر اس نے تنجور میں شیو مندر بنوایا تو کئی جگہوں پر وشنو مندر بھی بنوائے۔ اسی طرح سے بدھ وہاروں کو بھی اس نے مدد دی۔

اپنے خاندان والوں سے اس کا سلوک ہمیشہ محبت کا رہا۔ اپنی بہن کندبائی کے لئے اس کی محبت اور اپنی چچیری دادی کے لئے اس کی عقیدت اس کے ثبوت ہیں۔ راج راج چول نے کئی شادیاں کیں اور ان کی کئی بیویاں تھیں مگر ان کی اولاد بہت کم ہوئی۔

راج راج چول کو لوگ وشنو کا اوتار مانتے تھے اور اس کے وزیر چینت کو برہسپتی سے تشبیہ دیتے تھے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ راج راج چول اپنی جنتا میں کتنا ہر دلعزیز تھا۔ بھارت کے بڑے بڑے راجاؤں میں راج راج چول کا نام بہت بلند ہے۔